ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپرس روڈ ۔ لاہور

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

شمارہ: ۱۰	دسمبر ۱۹۸۵ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۰۶ھ	جلد ۴

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴

فون: ۸۵۲۶۱۱

سالانہ زرِ تعاون: ۳۰/- روپے

فی شمارہ: ۳/- روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

(stamp: illegible)

مضمون نگار حضرات کی آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

فہرس

• حرفِ اوّل ———— ۳
ڈاکٹر ابصار احمد

• حکمت و عبر ———— ۷
کیا ان رسومات سے حق اطاعت ادا ہو جاتا ہے؟
مولانا سعید الرحمٰن علوی

• امت مسلمہ کے لیے لائحۂ عمل (۲) ———— ۱۸
سورۂ آل عمران آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد

• ہدایت القرآن (۵) ———— ۳۰
مولانا محمد تقی امینی

• افادات امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی ———— ۳۹
'ارتفاقات' یعنی انسان کی ثقافتی زندگی کے مدارج
محمد مقبول عالم

• سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ———— ۴۴
قاری عبد القیوم

• سید سلیمان ندوی اور ادارہ الہلال ———— ۵۲
ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

• سیرت و سوانح (۲) ———— ۵۴
حضرت عبداللہ بن مبارک
نصرت علی اختر

• تبصرۂ کتب ———— ۷۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

اہلِ علم کے ہاں اب یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ مجرد الفاظ سے واقفیت، ان کی اصل و فرع کا علم اور ان کے جملہ لسانی مشتقات و استعمالات سے آگہی ایک شے ہے اور کسی خاص CONTEXT میں ان الفاظ کے استعمال سے اصل اور مطلوبہ معانی کا فہم اور گہرا ادراک ایک بالکل دوسری چیز ہے۔ قرآن کریم کے معاملہ میں یہ اصول بدرجۂ اتم اہمیت کا حامل ہے۔ جس کی تائید و تصویب ہمیں متعدد اقوالِ صحابہ میں ملتی ہے۔ مثلاً صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق وہب بن عبداللہ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے پوچھا۔ کیا آپ کے پاس وحی الٰہی میں سے کوئی ایسی چیز ہے۔ جو قرآن میں نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑا۔ اور جاندار کو وجود بخشا، ہمارے پاس کوئی چیز مزید نہیں سوا اس فہم کے جو اللہ ایک شخص کو قرآن میں عطا کرتا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن میں ظاہری الفاظ کے سوا بھی ایک چیز ہے وہ اس کا فہم یعنی اس کی گہری معنویت کا ادراک ہے۔ گویا ایک الفاظِ قرآن ہیں۔ اور دوسرا فہمِ قرآن۔ قرآن کا لفظی حصہ اس کے ظاہری مطالعے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے معنوی حصہ کو پانے کے لیے خدا شناسی، نزولِ قرآن کی حکمت سے آگہی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت اور ان کی پیغمبرانہ مشن والی زندگی پر غور و فکر ہی نہیں اسکا تتبع بھی ضروری ہے۔ ان تمام شرائط کو پورا کیے بغیر کوئی شخص قرآن کے گہرے معانی (Deep Structured Meanings) کو نہیں جان سکتا۔ قرآن کے ظاہری پہلو کو جاننے کے لیے عربی دانی کی ضرورت ہے۔ اور قرآن کے معنوی پہلو کو جاننے کے لیے خدا شناسی اور خدا پرستی کی۔ اگر ایک شخص کو عربی زبان کے قواعد سے واقفیت ہو تو وہ قرآن کو پڑھ کر اس کے لغوی اور ظاہری مفہوم کو سمجھ لے گا۔ مگر قرآن کی معنوی گہرائیوں کو وہی شخص پا سکتا ہے۔ جو شعوری طور پر تقویٰ کی روش اختیار کر کے خدا کی چھپی ہوئی تجلیات سے اپنی آنکھوں اور قلب و روح کو منور کر چکا ہو۔

علم و عرفان اور تقویٰ کے باہمی ربط پر کئی آیات قرآنیہ دال ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ

سے ڈرو اور وہ تم کو سکھلا دے گا۔ (وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ۔ البقرہ : ۲۸۲)۔ دوسرے مقام پر کہا گیا ہے کہ اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے، تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز عطا کر گیا۔ (اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا الانفال نمبر ۲۹) ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ اللہ سے ڈرو... وہ تم کو روشنی عطا فرمائے گا۔ جس میں تم چلو گے (... ویجعل لکم نوراً تَمْشُوْنَ بِہٖ)

امام شافعیؒ نے ایک بار اپنے استاد شیخ وکیع بن الجراح سے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو انہوں نے نصیحت کی کہ گناہوں کو چھوڑ دو، انہوں نے مزید بتایا کہ علم روشنی ہے اور اللہ کی روشنی کسی گناہگار کو راستہ نہیں دکھاتی۔ ظاہر ہے کہ یہاں علم سے مراد معلومات نہیں، معرفت ہے۔ حقیقی معرفت تک پہنچنے کے لیے صرف یہ کافی نہیں کہ آدمی کے پاس الفاظ، لغوی اسالیب کا علم اور معلومات کا ذخیرہ ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر صحت فکر ہو۔ اللہ کا ڈر آدمی کے اندر صحت فکر پیدا کرتا ہے۔ کوئی شخص جتنا زیادہ سنجیدہ ہو، اتنا ہی زیادہ اس کے اندر صحت فکر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ کا تقویٰ اور اس کی خشیت آدمی کو سب سے زیادہ سنجیدہ بناتی ہے۔ اس لیے یہی وہ داخلی کیفیات آدمی کو سب سے زیادہ اس قابل بناتی ہیں کہ وہ صحیح اور درست طریقہ پر سوچ سکے۔

قرآن فہمی دوسری عام علمی کتابوں کے فہم سے اس اعتبار سے بھی مختلف ہے۔ کہ قرآن کریم اس ہدایت ربانی کا مجموعہ ہے جس کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولی تشریح و تبیین فرمائی، اسکی تعلیمات کا مکمل عملی نمونہ بھی جزیرہ نمائے عرب میں قائم کر کے دکھایا۔ چنانچہ قرآن فہمی کے لیے اساسی کلید کا حصول آنحضور صلعم کی سیرت مطہرہ کا گہرا مطالعہ اور آپ کی انقلابی دعوت کے مختلف مراحل سمجھے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک قول کے مطابق آپ صلعم کا خلق، قرآن تھا، یعنی آپ مجسم قرآن تھے۔ اور آپ کے تمام اعمال و افعال قرآنی تعلیمات کی عملی تعبیریں تھیں۔ یہی بات ایک زیادہ لطیف پیرائے میں صحابہ کرامؓ کے اس قول میں ملتی ہے کہ "ہم نے اولاً ایمان سیکھا اور پھر قرآن سیکھا" یعنی الفاظ قرآن اور ان کے رموز و معانی کے علم سے پہلے انہوں نے "مجسم قرآن" ہستی کی ایمان افروز معیت اور محبت سے کسب فیض کیا۔ اور نہ صرف اپنے اذہان و قلوب ایمان و ایقان اور تقویٰ و خشیت کے انوار سے منور کیے بلکہ قرآن کی عملی تعلیمات کی تکمیل میں آپ کے دست و بازو بنے۔

قارئینِ کرام بخوبی واقف ہیں کہ حکمتِ قرآن، میں چھپنے والے مضامین کا عمومی مقصد مندرجہ بالا نہج فہمِ قرآن کے مطابق معارفِ قرآنی اور دعوتِ قرآنی کا بڑے پیمانے پر ابلاغ ہے۔ صرف ونحو ادبِ عربی اور قواعدِ عربی سے کماحقہ واقفیت بلاشبہ ضروری امور ہیں۔ لیکن اگر قرآن کی اہم اور بنیادی اصطلاحوں کو صرف عربی شعراء کے استعمالات کے حوالے سے سمجھنا شروع کر دیا جائے، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک محقق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ ایزدی سے مانگی ہوئی "شرح صدر" جیسی خوبی ونعمت کو بھی تضحیک کا نشانہ بنانے پر جری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس قسم کی گمراہی سے بچائے اور صراطِ مستقیم کی پہچان اور اس پر عمل کی توفیق ارزانی کرے۔

اَللّٰھم ربنا الھمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا

اَللّٰھم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا

وَارزقنا اجتنابہ۔ اٰمین

الصارم حمزہ

۴/۱۲/۸۵ء

کراچی میں سہ روزہ قرآنی تربیّت گاہ

اِنْ شَاءَ اللہ العزیز

۲۴ دسمبر ۸۵ء بروز منگل تا ۲۷ دسمبر ۸۵ء بروز جمعہ

اسپورٹس کمپلیکس کورنگی نمبر ۳ ۱/۲ کراچی میں

تنظیم اسلامی کراچی کے زیرِ اہتمام **تین روزہ تربیّت گاہ**

منعقد ہوگی — اسی ضمن میں

۲۴ دسمبر ۸۵ء بعد نمازِ عشأ تربیّت گاہ میں

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی) کا خطاب عام ہوگا

شرکت کی دعوت عام ہے

المعلن: تنظیم اسلامی کراچی ۱۱۔ داؤد منزل شاہراہ لیاقت فون ۲۱۶۵۸۶

کورنگی میں رابطہ کے لیے: مختار حسین فاروقی، ۳۹۷۔B گلشن علی سیکٹر ۳۵/اے کورنگی

حکم و عبر

محمد سعید الرحمٰن علوی

کیا اِن رسومات سے "حقِ اطاعت" ادا ہو جاتا ہے؟

"میثاق" کی حالیہ اشاعت ہی میں ہم نے بعض تنظیمی احباب کی خواہش پر ربیع الاوّل کی مناسبت و حوالہ سے مروّجہ بدعات بالخصوص "میلاد" پر گفتگو کرنا چاہی تھی تاکہ برادران دینی معاشرہ میں جڑ پکڑنے والی خرابیوں کی حقیقت سے واقف ہو کر ان کے استیصال کی فکر کر سکیں، لیکن جب قلم اٹھایا تو بات "سنّت و بدعت" کی طرف مڑ گئی اور بحمد اللہ تعالیٰ اس موضوع پر ایک اچھی چیز لکھی گئی جس سے یقیناً اپنی نیت کے بقدر ہمیں بھی اجر ملے گا اور بہت سے حضرات کو اس سے فائدہ بھی ہوگا ـــــ اس تحریر کے آخر میں البتہ مختصراً "میلاد" کے سلسلہ میں بھی گفتگو ہو گئی لیکن چونکہ ہمارے خیال میں وہ گفتگو ناکافی تھی اور ابھی "حکمتِ قرآن" کے سلسلہ میں "حکم و عبر" کے طے شدہ عنوان سے لکھنا باقی تھا۔ اس لئے سوچا کہ "میثاق" میں جس بات کی تشنگی کا احساس ہمیں خود ہوا ہے، اس کا ازالہ یہاں کر دیا جائے۔

گو یہ تحریر احباب کے سامنے اس وقت آئے گی جب یہ "ہنگامہ" فرو ہو چکا ہوگا لیکن مستقبل کے حوالہ سے ہی اگر اس پر غور کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے اصلاح احوال کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوں تو بسا غنیمت ہوگا۔

حضور نبی مکرّم، رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلّم کے آداب، آپ کے حقوق اور آپ کے معاملہ میں امّت کی ذمّہ داریاں، ایسا موضوع نہیں، جس سے لوگوں کو آگاہی نہ ہو، ہر شخص کم از کم اتنی بات ضرور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے

آتا ہے اور اسی کے حکم سے اس کی اطاعت وتابعداری کی جاتی ہے، حتیٰ کہ رب العزت اپنی اطاعت وتابعداری کا راز نبی کی اطاعت ہی میں مضمر بتلاتے ہیں (النساء ۸۰) قریبی دور کے ایک مصلح، مفکر اور دینی و روحانی پیشوا مولانا احمد علی لاہور قدس سرہ نے بہت کی بات کہی ہے کہ:

"اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت سے، رسول اکرم علیہ السلام کو اطاعت سے اور اللہ تعالیٰ کی باقی مخلوق کو (بالخصوص بنی نوع انسان کو) خدمت سے راضی کیا جائے۔"

لیکن بدقسمتی یہ ہوئی اور یہ امت کا مجموعی المیہ ہے کہ امت اس "حقِ اطاعت" کو فراموش کر کے "عشق ومحبت" کی داستان سرائی کا شکار ہو گئی اور اسے بالکل اس کا احساس نہ ہوا کہ "عشق ومحبت" کا ہنگامہ شاعرانہ اپج ہے، تقاضائے دین نہیں، تقاضائے دین تو آپ کی اطاعت اور اللہ تعالےٰ کی محبت ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ ۱۶۵) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران ۔ ۳۱)

ستم یہ ہے کہ اس حقیقت کی طرف توجہ دلانے کا معنی یہ ہے کہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا جائے، لیکن "راہِ عشق" میں ایسا ہوتا ہی ہے اور ہماری جو خواہش ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ صبحِ قیامت اپنی رحمت اور اپنے نبی علیہ السلام کی شفاعت کا ہمیں مستحق بنا دے اور بس۔ رحمتِ باری سے یہ سعادت میسر آجائے تو پھر کوئی بات باقی نہیں رہتی، ہمارے نزدیک دنیا کی واہ واہ یا دنیا کی کلوخ اندازی کی کوئی حقیقت نہیں، اس واہ واہ وغیرہ کا تجربہ تو عصر حاضر کے سب سے بڑے خطیب سید الاحرار السید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ نے یوں کیا کہ:

ہم نے اچھی تقریر کی، تم نے کہا واہ واہ، ہم گرفتار ہو گئے تم کہا آہ، آہ۔ تمہاری اس واہ اور آہ میں ہم ہو گئے تباہ۔

انسانوں کی طرف سے پذیرائی یا ان کی طرف سے کلوخ اندازی اور طعن وتشنیع، دونوں کی کوئی حیثیت نہیں، اصل حقیقت رضائے الٰہی کی ہے اور بس۔ اس لئے جو حقیقت ہے وہ بے لاگ طریق سے عرض کر دی جاتی ہے ـــــ تاہم اس کی وضاحت بہر حال ضروری ہے کہ کوئی ہماری اس گفتگو کا خلاصہ یہ نہ نکالے کہ جناب پیغمبرِ اسلام علیہ السّلام کا ذکر وتذکرہ بے سود ہے ـــــ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

ہم فقیہ عصر مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے حوالہ سے "میثاق" میں اس کی فضیلت عرض کر چکے، مزید عرض کریں گے کہ:

نفس ذکر میلاد فخر دو عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔

(براہین قاطعہ ص۱ - مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ)

مزید حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے پاک نفس حضرات بلکہ پھر ان کے قریب تر اہل صلاح کے ادوار میں چھ سو سال تک ان چیزوں کا اہتمام درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم کی طرح ہوتا تھا (ص۱۵۹)

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ امت کی ضرورت یہ تھی کہ وہ اپنے ہادی و پیشوائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور آپ کے اقوال و افعال سے واقف ہو، اسے آداب و حقوق نبوت کا پتہ چل سکے اور اس کا جذبہ عمل بیدار ہو اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہی طریق انفع تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح لکھا اور فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مقدس دور سے اب تک برابر جاری ہے اور محدثین و مشائخ اور اہل صلاح کا یہی رویہ ہے (اصلاح الرسوم ص۷۹)

لیکن اب یہ باتیں عنقا ہیں، قرآن عزیز جو اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے۔ قیام قیامت تک انسانیت کے لئے نسخۂ شفا و ہدایت نامہ، اس کی طرف توجہ نہیں، مساجد میں اس کے درس کا سلسلہ برائے نام ہے، تعلیمی اداروں میں اگر معقول وقت اور طریقہ نہیں تو اس کی تعلیم کا۔ یہی حال حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات و فرامین (احادیث مبارکہ) کا ہے کہ ان کی تعلیم و تدریس کا فرض کما حقہٗ ادا نہیں ہو رہا۔

جمعہ کے دن ہزاروں مساجد میں حضرات خطباء، خطبہ ارشاد فرماتے ہیں، امریکہ روس کی چپقلش تک کے مسائل ان کے خطبات میں ہوں گے، نہیں ہوگا تو قرآن کا ذکر نہیں ہوگا اور حوالہ نہیں ہوگا تو حدیث کا نہیں ہوگا۔

بزرگان دین کے مزارات سے متصل مساجد وغیرہ میں بزرگوں کی کشف و کرامات سماع و قوالی سبھی کا اہتمام ہوگا لیکن ہدایت کے دو نوشتے (قرآن و سنت) کا تذکرہ دور دور نہیں ہوگا۔ ریڈیو، ٹی وی جیسے مؤثر ذرائع ابلاغ کے ۱۵، ۱۶ گھنٹے کے پروگرام میں مشکل

گھنٹہ بھر کا وقت دینی پروگرام کو ملے گا اور وہ بھی ایسے حضرات کے ذریعہ جنہیں نہ بصیرت روحانی نہ معرفت قرآنی، ارشادات پیغمبر سے واسطہ ہے نہ بانخداسلاف کی تعلیمات سے (الا ماشاء اللہ تعالیٰ)

یہی حال اخبارات کا ہے، جو اس وقت ایک طرح کی ضرورت بن چکی ہیں، ہر آدمی جنہیں کسی نہ کسی درجہ میں دیکھتا اور پڑھتا ہے لیکن ہفتہ میں ایک دن ملی ایڈیشن کے حوالہ سے "خدمتِ اسلام" اس طرح ہوتی ہے کہ پورے اخبار کا بمشکل بیسواں حصّہ "نذرِ اسلام" ہوتا ہے۔ باقی اس دن بھی اور سارا ہفتہ جس طرح کی چیزیں چھپتی ہیں ان پر تبصرہ نہ کرنا ہی بہتر

ہمارا وجدان واحساس یہ ہے کہ یہ ذرائع ابلاغ (جن میں ریڈیو، ٹی وی، اخبارات، منبر ومحراب سبھی شامل ہیں) ان کو ایک سال کے لئے حقیقی دینِ اسلام کی خاطر وقف کر دیا جائے۔ اور یہ پروگراموں اور خطبات کے ذمہ دار حضرات مخلص ہوں، ان میں خوف خدا ہو، آخرت کا احساس ہو، قرآن وسنّت اور اسلاف کی پاکیزہ تعلیمات سے وہ واقف ہوں تو اس خفتہ بخت قوم کی قسمت بدل سکتی ہے، لیکن محسوس ایسا ہوتا ہے کہ یہ وہ جذبات واحساسات ہیں، جو شاید ہی پورے ہوں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی تو بہر طور نہیں لیکن حالات کا نقشہ مزید مایوس کن ہے۔ جو ذمہ دار ادارے سر پر کفن باندھ کر اصلاح احوال کا کام کر سکتے ہیں، ان کی تنظیم، ان کی فکر کے دھارے، ان کی عملی سرگرمیوں وغیرہ، سب ایسی ہیں کہ چاروں طرف اندھیرا محسوس ہوتا ہے اور ایک تاریکی کی سی فضا نظر آتی ہے۔

حضور نبی اکرم، رحمت دوعالم صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہٗ کی ذات گرامی سے گنہگار سے گنہگار اور بے عمل سے بے عمل انسان کو ایک طرح کا لگاؤ ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب کبھی دنیا میں کوئی ایسا فتنہ پروان چڑھتا ہے جس سے اسلام و ذات نبوی پر حرف آتا ہے تو "فقیہہ شہر" "مصلحت بینی" کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے اور "رندانِ قدح خوار" سراپا حرکت وعمل بن جاتے ہیں۔

میرے مخدوم گرامی مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ جب میں اساتذہٗ دیوبند کی ہدایت کے مطابق ۲ سال حیدر آباد دکن میں گزار کر واپس اپنے علاقہ میں آیا تو قادیانیت کے جراثیم میرے علاقہ میں پہنچ چکے تھے۔ میں نے اہل علم، خوانین اور اس قسم کے ذمہ دار عناصر سے رابطہ پیدا کر کے انہیں توجہ دلانا چاہی لیکن لوگ سمجھتے کہ میری باتوں کو جوانی کے جوش سے تشبیہہ دے کر پرواہ نہ کرتے، آخر میں نے ایسے لوگوں سے رابطہ کیا جنہیں نیک

حضرات" اپنی "نیکی" کی بنیاد پر منہ نہ لگاتے اور فاسق و فاجر خیال کرتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ردِّ عمل صحیح نہ تھا۔ کوئی اگر فاسق و فاجر ہے بھی تو اس سے نفرت کا سبق تو اسلام نے نہیں پڑھایا بلکہ چاہئیے یہ کہ اس کی بیماری کی اصلاح کی جائے ـــ بہرحال بقول مولانا ایسے لوگوں سے ملا تو وہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے بڑی ذمّہ داری سے میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا بھی کیا ـــ یہ تو ماضی کی بات ہے، لیکن ہمارے دیکھے واقعات میں ۱۹۷۴ کی تحریک ختم نبوّت اور ۱۹۷۷ کی تحریک ہے، جو گو ابتدا میں انتخابی دھاندلیوں کے خلاف ابھری لیکن عوام کی ہمہ گیر تائید حاصل کرنے کی غرض سے اسے مشرّف بہ اسلام کر کے بعض لوگوں کی خواہش پر "نظامِ مصطفیٰ" کا اسے نام دیا گیا (حالانکہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے یہ نام صحیح نہ تھا تفصیل کا موقعہ نہیں) بہرحال جوں ہی اس میں مذہبی رنگ آیا مرد اور عورتیں، چھوٹے اور بڑے نکل کھڑے ہوئے اور پھر جو ہوا وہ سب کا دیکھا ہوا ہے۔ پولیس تو رہ گئی اپنی جگہ لاہور، کراچی اور حیدر آباد میں جزوی مارشل لاء کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی بندوں نے ملٹری کی "ریڈ لائن" کراس کر کے کاروبار جنوں کیا اور رسم قلندری زندہ کی ـــ واقعہ یہ ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر لوگ ایسے ہی تھے جو عام حالات میں نماز روزے تک کے پابند نہیں ہوتے اور اس سے قبل لاہور کے غازی علم الدین شہید جیسے کھلنڈرے نوجوان نے امیر شریعت السیّد عطاء اللہ بخاری رحمہ الباری کی تقریر سن کر "ناموس رسالت" کے لئے قربانی دے دی (رحمہم اللہ تعالیٰ)

حضورؐ کی ذاتِ گرامی سے ایک عام مسلمان کو جو نسبت و تعلق ہے، اس سے فائدہ اٹھا کر یار لوگوں نے ایسے رخ پر ڈال دیا ہے کہ وہ غریب اپنے طور پر اسے "حقِ اطاعتِ رسولؐ" کی ادائیگی سمجھ رہے ہیں لیکن فی الحقیقت ان کی لٹیا ڈوب رہی ہے ـــ کتنی صحیح بات کہی حضرت الامام ابوحنیفہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے محدّث، مفسّر، فقیہہ اور مجاہد شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہ:

دین بگڑتا ہے تو تین طبقات کے سبب، ملوک و امراء، علماء سوء اور پیرانِ بے توفیق۔

حکمران طبقہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشے ہوئے اقتدار کا حق" ادا کرنے کے بجائے

اللّے تللّوں کا شکار ہے، اس نے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی ذمہ داری نبھانے کے بجائے قوم کو تمناؤں میں الجھا رکھا ہے۔ ۲۳ مارچ سے ۱۴ اگست تک اور آخری چہار شنبہ سے عید میلاد ؟ تک جیسے مذہبی اور قومی ایام کو جس دھوم دھڑکے سے منایا جاتا ہے کہ لوگ سمجھ لیں کہ بس دین و ملک ۔ کے تقاضے پورے ہو گئے۔

اسلام کے سنہری ادوار میں جمعہ کی چھٹی تک نظر نہیں آتی۔ بس قرآن کے ارشاد کے مطابق نماز کا اہتمام ضرور تھا۔ باقی ہر شخص محنت، مسلسل محنت اور کام کا عادی تھا۔ اسی کی اسے تعلیم اور ہدایت تھی۔ لیکن اب چھٹیاں ہی چھٹیاں ـــــ اور پھر ان کے مواقع پر اسراف و تبذیر اور فحش کلامی، فحش گوئی، رقص و سرود وغیرہ کے مشاغل نے "غیرتِ ملّی" کا جنازہ نکال دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان شہاب الدین غوری نے شکست (اپنے اپنے وقت میں) کے بعد فیصلہ کر لیا کہ ان پر ہر قسم کی آسائش حرام ہے۔ جب تک اس کا بدلہ نہ چکا لیں۔ اس جذبۂ صادقہ نے دونوں کو ہی چند سے بعد کامیابی سے ہمکنار کیا۔ لیکن ہم نے ۱۹۷۱ء کی عبرت ناک شکست کے بعد لہو و لعب، کھیل و تماشہ اور ایسے لغو و لایعنی کام زیادہ کثرت سے کرنے شروع کر دیئے۔ ایک ۱۴ اگست کے دن کپڑا، کاغذ، تیل اور دوسری بنیادی ضروریات جس بے دردی سے برباد ہوتی ہیں، وقت ضائع ہوتا ہے، ملک کی پیداوار متاثر ہوتی ہے، اسی کا ٹھکانہ نہیں، کیا اپنے نصف ملک سے محروم ہو کر یہ لچھن ہمیں زیب دیتے ہیں ؟ ایسا ملک جس میں ہزار ہا ہزار انسان جھونپڑی سے محروم ہیں، جس کی ہزاروں بچیاں شادی کی عمر گزار کر باپ کے گھر میں تصویرِ حسرت بنی بیٹھی رہتی ہیں، اس ملک میں یہ طور طریقے درست ہیں ؛ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں اور ہم لاکھوں گز کپڑا جھنڈے کی نذر کر دیں۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے ـــــ نبی مکرم علیہ السّلام کی زندگی میں پرچم لہرانے، سرنگوں کرنے وغیرہ کا کوئی معاملہ نہ تھا۔ بس ایک جنگی ضرورت تھی۔ اس موقعہ پر جو میسّر آیا اس سے کام بنا لیا جیسا کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر اُمّ المؤمنین سیّدتنا عائشہ صدّیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا و رضوانہٗ سے ان کی نصف اوڑھنی لے کر جھنڈا بنا لیا۔

پھر یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ "صفر الخیر" کے آخری بدھ کو طے شدہ حقیقت کے مطابق نبی کریم علیہ السلام کی مرض الموت کی ابتدا ہوئی۔ یاروں نے اسے "غسلِ صحت" کا دن بنا کر سارا دن لہو و لعب میں گزار دیا ـــــ ۱۲ ربیع الاوّل جو وفات کا یقینی دن

ہے اور تحقیق کے مطابق ولادت کا بالکل نہیں (ولادت کا دن وہ ہے بلکہ حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے بقول ۱۰ محرم کو ولادت ہوئی۔ دیکھیں، غنیۃ الطالبین) اس دن کو جشنِ میلاد قرار دے دیا گیا ـــــ انا للہ وانا الیہ راجعون ـــــ پھر اس دن جو ہوتا ہے کیا یہ مسلم معاشرہ کی تصویر ہے ـــــ؟ کئی کئی دن لوگ اس کی تیاری کی نذر کر دیتے ہیں جس سے بے پناہ کاروباری نقصان ہوتا ہے۔ کروڑوں کی بتی پھُنک جاتی ہے۔ اس ملک میں جو مسلسل لوڈشیڈنگ کا شکار ہے جس میں کارخانے اور ملیں بند پڑی ہیں جس میں پروڈکشن شدید طور پر متاثر ہو رہی ہے، ملک کا انگ انگ غیر ملکی قرضوں کا شکار ہے، ہر پیدا ہونے والا بچہ بھی مقروض ہے۔ اس میں سرکاری و غیر سرکاری عمارات پر چراغاں! ـــــ ڈوب مرنے کا مقام ہے، کیا یہ پیغمبر اسلام کی تعلیم ہے ـــــ حضور علیہ السلام قرض کی نحوست کا شدت سے ذکر کرتے ہیں، اس سے ڈراتے ہیں اور اس سے بچانے کی تدابیر کرتے ہیں لیکن ہم قرض میں ڈوب کر اس کی ولادت کا جشن مناتے ہیں۔ الامان ـــــ۔ الامان ـــــ۔ الامان ـــــ!!!

کسی حکمران، عالم اور پیرِ طریقت کو احساس ہے کہ اس ملک میں عیسائیت کا سیلابِ بلاخیز کس تیزی سے امت کو ہڑپ کرنے کی فکر میں ہے۔ غیر ملکی مشن دولت اور عیسائی حکومتوں کی امداد کے بل بوتے پر ہسپتال، ڈسپنسریاں، سکول اور کیا کیا بنا کر مسلمانوں کو شکار کر رہے ہیں اور اسی طرح سے سر آغا خان جیسے سکہ بند انگریز کے بہی خواہ کا پوتا دولت کا دریا بہا کر اور سادہ لوح یا احساسِ ملی سے ناآشنا مقتدر طبقہ کا تعاون و سرپرستی حاصل کر کے اپنی دنیا بسانے کی فکر میں ہے۔ لیکن ہم نے یہی سمجھ لیا کہ "جشنِ میلاد" کے بعد دارین کی سعادتیں میسر آ جائیں گی؟

حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز جیسے 'مجددِ امت' جس نے بدعات و رسومات کے خلاف شدید قسم کا جہاد کیا، اس کے نام پر آج بدعات کو رواج دیا جا رہا ہے اور علم و معرفت سے یکسر ناآشنا سجادگانِ طریقت گلی گلی اس کے عرس کر رہے ہیں ـــ کتنا حسرتناک معاملہ ہے۔ ایسے ہی حالات تھے جن کا ذکر حضرت مجدد دین کی غربت کا ماتم کرنے اور ہر کسی کو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے۔

اس امام مجدد کو دیکھیں اسے فیض ملا حضرت خواجہ مکرم خواجہ باقی باللہ قدس سرہ

سے، لیکن اس نے اپنے مخدوم زادگان اور خانقاہ خواجہ باقی باللہ کے مقیم حضرات کو اپنے ایک مکتوب میں بڑی سختی سے لکھا، جب انہیں معلوم ہوا کہ غلط انداز سے اس خانقاہ میں میلاد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

> فقیر جو اتنے مبالغہ کے ساتھ منع کر رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اپنے طریقے کی مخالفت ہے۔ مخالفت رقص و سماع کے ساتھ ہو یا مولود و شعر خوانی کے ساتھ دونوں برابر ہیں ـــــ از روئے انصاف فرمائیں کہ اگر حضرت خواجہ ہوتے تو کیا وہ اس مجلس مولود خوانی کو پسند کرتے؟ ـــــ اگر مخدوم زادگان اور احباب اسی روش پر قائم رہے تو ہم فقیروں کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

گویا اس "مردِ حُر" نے پیر کے بیٹوں (صاحبزادگان) سے کنارہ کشی کر لینے کا فیصلہ کر لیا لیکن دینی معاملات میں کوئی تساہل نہ برتا۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ جب سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے اصحاب سجادہ اٹھ کر ایسی حرکات کرتے ہیں ـــــ ضرورت ہے کہ اس سلسلہ کے وہ اصحاب سجادہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے "استقامت علی السنۃ" کی نعمت سے نواز رکھا ہے وہ آگے بڑھ کر "مسلک مجدد" کی وضاحت کریں۔

بہر حال ہم اپنے میثاق والے مضمون میں توجہ دلا چکے ہیں کہ یہ "کار بے خیر" زمانہ نبوت سے چھ سو سال بعد شروع ہوا۔ مجوزین کے حلقہ کی ایک شخصیت مولوی عبدالسمیع صاحب بھی اپنی کتاب "انوار الساطعہ ص۱۵۹" پر اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ "سلطان اربل" جو اس کا موجد تھا اس کا حال ہم عرض کر چکے۔ مولوی عبدالسمیع صاحب بھی ص۲۶۱ پر اس کا اعتراف کرتے ہیں ـــــ صاحب تاریخ مرآۃ الزمان کہتے ہیں کہ

"سلطان اربل ظہر سے عصر تک صوفیوں کے لئے مجلس سماع کا اہتمام کرتا اور خود بھی ساتھ ناچتا"

اسی کے حکم سے ابن دحیہ نامی ایک شخص نے پہلا میلاد نامہ لکھا جس پر ایک ہزار دینار کا انعام ملا۔ اس شخص کو مشہور محدثین اور ارباب رجال نے متہم بالکذب، ضعیف، شاعر اور نہ معلوم کیا کیا لکھا ہے۔ (دیکھیں حافظ ابن حجرؒ کی لسان المیزان، ابن عساکر کی کتاب الرجال وغیرہ)۔

وہ عزیزانِ گرامی جو ذوقِ سنّت کے بجائے ذوقِ بدعت کا بدقسمتی سے شکار ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارے قائدین ایسے ہی لوگ ہیں، چنانچہ مولوی عبدالسمیع صاحب فرماتے ہیں :

"پس خوب سمجھ لو کہ ہم اس عمل میں تابع ہیں دستور العمل سلاطین روم اور فرمانروایانِ ملکِ شام اور ملوکِ ممالکِ مغربیہ اور اندلس اور مفتیانِ عرب کے (ص ۱۷۰)

سوال یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام جو دین امانت کے طور پر ہمارے پاس چھوڑ گئے اور جس پر عمل ہی دراصل مدارِ نجات ہے، اس سے صرف نظر کر کے ان مشاغل کی وجہ اور ضرورت کیا ہے؟ تو اس کا پتہ مشہور حنفی محدّث و فقیہ ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ "موردالروی" سے چلے گا۔ ابن جزری م ۸۳۳ھ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

جب نصاریٰ اپنے نبی کی پیدائش کی رات کو عیدِ اکبر مناتے ہیں تو اہلِ اسلام کو ان سے زیادہ اپنے نبی کی تکریم و عزّت کرنا چاہیئے۔

اور ٹھیک یہی بات مولوی عبدالسمیع صاحب نے ص ۱۷۱ پر لکھی ـــــ اب اس کے بعد کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں محض ایک ارشادِ پیغمبر سن لیں !

"میری امّت پر ایک ایسا دور آئے گا جیسا بنی اسرائیل (یہود قوم مغضوب) پہ آیا، بالکل برابر برابر جیسے ایک جوتا دوسرے کے مساوی و برابر ہوتا ہے۔۔۔ حتّٰی کہ ان میں سے کسی بدبخت و نامراد نے اپنی ماں سے منہ کالا کیا تو میری امّت میں بھی ایسے ہوں گے جو اس طرح کا کام کریں گے۔ وہ بہتّر گروہوں میں بٹے میری امّت ۷۳ گروہوں میں بٹ جائے گی۔ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ علیہم الرضوان نے اس ایک ناجی گروہ کا نام پوچھا تو فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہوگا"

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ترمذی المشکوٰۃ وکذا فی مسند احمد و ابی داؤد عن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

امام بخاری اور امام مسلم قدس سرّھما ایسی ہی روایت لائے ـــــ اس کا ترجمہ ہے۔ "بے شک تم پیروی کروگے اگلوں کی (مراد یہود و نصاریٰ جیسا کہ محدّثین نے وضاحت کی تصریح کی) بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ (یعنی پوری پوری)

کتنا ستم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی جس بات کا خوف دلا رہے ہیں، ہم فخر سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔
—— مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں:

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا"
(صفحہ ۱۹)

تو پھر سوال یہ ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو! اس کا جواب آچکا کہ عیسائیوں کی اتباع میں ——
اس پر کوئی کیا تبصرہ کرے۔ صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ:

اللھم اھدنا الصراط المستقیم ۞ صراط الذین انعمت
علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۞

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی!!
کیں راہ کہ میروی بترکستان است

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس وقت "غربت اسلام" کی جو حالت ہے، اسے لے کر میں کس دروازہ پہ جاؤں، کس سے فریاد کروں اور کس کے سامنے اپنا درد و غم رکھوں؟

حکمران ہیں تو وہ اسلام کے ساتھ کھلا مذاق کرنے پہ تلے ہوئے ہیں، انہیں شاید احساس ہی نہیں کہ ہمیں مرنا ہے۔ حکمرانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ماضی کو بہت جلد بھلا دیتے ہیں —— اے کاش کم از کم اس ملک میں موجودہ مدعیان اسلام حکمرانوں کا ہی یہ رویہ نہ ہوتا اور ان کے سامنے ایوب خان جیسے مرد آہن یحییٰ خان جیسے شراب و کباب کے رسیا اور بھٹو جیسے مضبوط کرسی کے مالک کا انجام ہوتا ——؟ انہیں احساس ہوتا کہ زمین کیسے کیسے آسمانوں کو کھا جاتی ہے اور پھر مرنے کے بعد کیا انجام ہوتا ہے ——؟

علماء کی اکثریت ہے تو وہ "سواد اعظم" کی مفروضہ اور خود ساختہ قیادت کے خول سے باہر نکلنے کو تیار نہیں۔ ان کے ضمیر و خمیر میں امام مجدد الف ثانی سے لے کر مولانا اسمٰعیل شہید تک ہر مصلح کی تکفیر کی گھٹی پڑی ہے۔ اب وہ ملک کی سیاسی قیادت کے صبح و شام خواب دیکھ رہے ہیں اور انہیں مطلق احساس نہیں کہ قوم ہماری بے حسی اور صحیح لفظوں میں بے حمیتی کے سبب جس طرح شرکیہ اعمال اور رسومات و بدعات کے نرغہ کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگلی نسل کے دور میں اسلام کی رسمی صورت بھی دیکھنے کو نہ ملے گی —— ایسا ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کا قہر کسی ایسی شکل میں نازل ہوگا

کہ بخارا و ترکستان اور مشرقی پنجاب کی طرح مدارس و مساجد اصطبل میں تبدیل ہو جائیں گی اور اور مذہبی قیادت کا خواب شرمندہ ہو کر رہ جائے گا ــــــ

قریب قریب ایسا ہی معاملہ سجادگانِ طریقت کا ہے کہ بڑے ایک دنیا بسا کر چلے گئے اب فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات والی کیفیت ہے ــــــ اسی طرح زمیندار، ملازمین، تاجر، صنعت کار، وکلاء، طلبہ، مزدور اور سبھی طبقات کا عالم ہے، دنیا کی دوڑ ہے اور بس اور ایسا دین ہر کسی کو مطلوب ہے جس میں کچھ چھوڑنا نہ پڑے سود، سٹہ، بد دیانتی، رشوت وسفارش سب جائز ہو، جب منبر و محراب سے انہیں میلاد وعرس، گیارہویں اور ایسی رسوم کے ذریعہ بخشش و نجات کی نوید سنائی جائے تو سوچیں ان کا طرزِ عمل کیا ہوگا ؟

اس لئے ایک رب کا دروازہ ہے اسی سے فریاد ہے اور دعا ہے کہ وہ احکم الحاکمین اور مقلب القلوب ہمارے دلوں کو کفر سے اسلام، شرک سے توحید اور بدعت سے سنّت کیطرف پھیر دے ۔ آمین !!

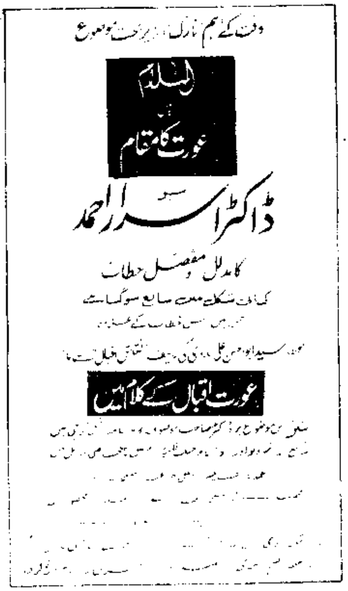

کتنا ستم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی جس بات کا خوف دلا رہے ہیں، ہم فخر سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔
—— مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں:

حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا"

(صنہ۱۹)

تو پھر سوال یہ ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو! اس کا جواب آچکا کہ عیسائیوں کی اتباع میں —— اس پر کوئی کیا تبصرہ کرے۔ صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ:

اللھم اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت
علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ○

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی !!
کیں راہ کہ میروی بترکستان است

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس وقت "غربتِ اسلام" کی جو حالت ہے، اسے لے کر میں کس دروازہ پہ جاؤں، کس سے فریاد کروں اور کس کے سامنے اپنا دردوغم رکھوں؟

حکمران ہیں تو وہ اسلام کے ساتھ کھلا مذاق کرنے پہ تلے ہوئے ہیں، انہیں شاید احساس ہی نہیں کہ ہمیں مرنا ہے۔ حکمرانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ماضی کو بہت جلد بھلا دیتے ہیں —— اے کاش کم ازکم اس ملک میں موجودہ مدعیانِ اسلام حکمرانوں کا ہی یہ رویہ نہ ہوتا اور ان کے سامنے ایوب خان جیسے مردِ آہن یحییٰ خان جیسے شراب وکباب کے رسیا اور بھٹو جیسے مضبوط کرسی کے مالک کا انجام ہوتا —— ؟ انہیں احساس ہوتا کہ زمین کیسے کیسے آسمانوں کو کھا جاتی ہے اور پھر مرنے کے بعد کیا انجام ہوتا ہے —— ؟

علماء کی اکثریت ہے تو وہ "سوادِ اعظم" کی مفروضہ اور خود ساختہ قیادت کے خول سے باہر نکلنے کو تیار نہیں۔ ان کے ضمیر وخمیر میں امام مجدد الف ثانی سے لے کر مولانا اسمٰعیل شہید تک ہر مصلح کی تکفیر کی گھٹی پڑی ہے۔ اب وہ ملک کی سیاسی قیادت کے صبح وشام خواب دیکھ رہے ہیں اور انہیں مطلق احساس نہیں کہ قوم ہماری بے حسی اور صحیح لفظوں میں بے حمیتی کے سبب جسطرح شرکیہ اعمال اور رسومات وبدعات کے نرغہ کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگلی نسل کے دور میں اسلام کی رسمی صورت بھی دیکھنے کو نہ ملے گی —— ایسا ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کا قہر کسی ایسی شکل میں نازل ہو گا

کہ بخارا و ترکستان اور مشرقی پنجاب کی طرح مدارس و مساجد اصطبل میں تبدیل ہو جائیں گی اور اور مذہبی قیادت کا خواب شرمندہ ہو کر رہ جائے گا ــــــ

قریب قریب ایسا ہی معاملہ سجادگانِ طریقت کا ہے کہ بڑے ایک دنیا بسا کر چلے گئے اب فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات والی کیفیت ہے ــــــ اسی طرح زمیندار، ملازمین، تاجر، صنعت کار، وکلاء، طلبہ، مزدور اور سبھی طبقات کا عالم ہے، دنیا کی دوڑ ہے اور بس اور ایسا دین ہر کسی کو مطلوب ہے جس میں کچھ چھوڑنا نہ پڑے سود، سٹہ بد دیانتی، رشوت و سفارش سب جائز ہو، جب منبر و محراب سے انہیں میلاد و عرس، گیارہویں اور ایسی رسوم کے ذریعہ بخشش و نجات کی نوید سنائی جائے تو سوچیں ان کا طرزِ عمل کیا ہو گا؟

اس لئے ایک رب کا دروازہ ہے اسی سے فریاد ہے اور دعا ہے کہ وہ احکم الحاکمین اور مقلب القلوب ہمارے دلوں کو کفر سے اسلام، شرک سے توحید اور بدعت سے سنت کیطرف پھیر دے ۔ آمین!!

وقت کے اہم نازک زیر بحث موضوع
اسلام میں عورت کا مقام
پر
ڈاکٹر اسرار احمد
کا مدلل و مفصل خطاب
کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے
عورت اقبال کے کلام میں

اُمّتِ مُسلمہ کے لیے لائحۂ عمل (قسط ۲)

(سُورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

میں نے عرض کیا کہ پہلا قدم یہ ہے۔ اس سیڑھی پر اپنے قدموں کو جمانا ضروری ہے۔ اس موضوع پر مزید وقت صرف کئے بغیر میں اس ضمن میں صرف ایک بات اور عرض کروں گا کہ اگر محض تقویٰ پر تقریر ہو تو ایک گھنٹہ بھی ناکافی ہے۔ یہ باتیں آپ اکثر مواعظ میں سنتے ہی رہتے ہیں، البتہ ایک بات کی جانب توجّہ ضروری ہے کہ ہمارے یہاں بعض اوقات یہ تصوّر لنگا ہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے کہ خواہ تقویٰ ہو، خواہ اسلام ہو، خواہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہو۔ یہ تمام باتیں من حیث الکل مطلوب ہیں۔ یعنی پوری زندگی میں تقویٰ ہے تو حقیقی تقویٰ ہے۔ لیکن اگر معاملہ ہو جائے کہ زندگی کے ایک گوشے میں آپ اللہ کے احکام کی بڑی پابندی کر رہے ہیں، آپ نے بالکل متقیوں کی سی وضع قطع اختیار کر لی لیکن کاروبار میں آپ اسلام کے خلاف طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ ناجائز اور حرام ذرائع اپنائے ہوئے ہیں تو جان لیجئے کہ یہ صورتِ حال تقویٰ کے منافی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ۔ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو چھپے اور کھلے ہر حال میں"۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے تین بار اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: التقویٰ ھٰھُنَا۔ التقویٰ ھٰھُنَا۔ التقویٰ ھٰھُنَا۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ تقویٰ اگر دل میں ہوگا تو پورے وجود میں سرائت کر جائے گا۔ پھر وہ تقویٰ پوری شخصیت کو اس رنگ میں رنگ دے گا جسے قرآن مجید میں صِبْغَۃَ اللّٰہِ "کہا گیا ہے: — صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے، صرف ایک جزو میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی ہے اور دیگر معاملات میں آزادی اختیار کی گئی ہے تو یہ دراصل یہود کا ساطرزِ عمل ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے

کہ میری امّت میں بھی وہ ساری برائیاں پیدا ہوں گی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر وہ یعنی بنی اسرائیل گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی گھسو گے۔ یہاں تک الفاظ ہیں ۔ اگرچہ بیان کرتے ہوئے جھجک پیدا ہوتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں تو آپ کو سنانا ہوں۔ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بدبخت پیدا ہوا جس نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو تو تم میں سے بھی کوئی بدبخت ایسا پیدا ہوگا"۔

مراد یہ ہے کہ وہ تمام دینی، اعتقادی، فکری، علمی اور عملی خرابیاں جو سابقہ امّت (یعنی بنی اسرائیل) میں پیدا ہوئیں، وہ اس امّت یعنی امّتِ مسلمہ میں بھی پیدا ہوں گی۔ حدیث کا متن حسب ذیل ہے:

لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ ۔ "میری امت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے بالکل ایسے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے"۔ نہایت مطابق واقعہ تشبیہ ہے۔ جوتی کے ایک جوڑے کو دیکھئے تو چونکہ پنجہ کا رخ مختلف ہے اس لئے آپ کو بظاہر ایک جوتی دوسری جوتی سے مختلف نظر آئے گی لیکن ان کے تلوؤں کو جوڑ دیئے تو بالکل ایک ہوں گی۔ اسی طرح بنی اسرائیل اور امت مسلمہ کے احوال میں ظاہراً فرق تو موجود ہے۔ بہرحال چودہ سو برسوں کا فاصلہ ہے۔ چنانچہ ظاہری اعتبار سے کچھ نہ کچھ فرق ہے لیکن بین السطور دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ سرِمو کوئی فرق نہیں۔ تو وہ کیفیت جو قرآن مجید میں یہود کے بارے میں فرمائی گئی، ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں خود جھانکنا چاہئے کہ کہیں ہم تو اس میں مبتلا نہیں ہیں۔؟ اس آئینہ میں ہمیں اپنی صورت تو نظر نہیں آرہی! قرآن مجید میں یہود کو مخاطب کرکے فرمایا: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ؟ "کیا تم کتاب اور شریعت کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟" — فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ تو کان کھول کر سن لو کہ "تم میں سے جو کوئی بھی یہ طرزِ عمل اختیار کرے گا اس کی کوئی سزا اس کے سوا نہیں ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کو ذلیل و خوار کر دیا جائے"۔ اور وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط "قیامت کے دن ان کو شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا" —— یہ ہے اللہ کی وعید ان لوگوں کے لئے جو دین کے حصے بخرے کرلیں۔ کہ زندگی کے ایک حصے میں تو میں دین پر چلوں گا اور جو دوسرے گوشے ہیں تو ان کے لئے عذرات کا پلندہ ہے کہ جی کیا کروں؟ یہ تو مجبوری ہے

یہ تو زمانہ کا چلن ہے ۔ یہ تو برادری کا رواج ہے ۔ شادی بیاہ کی رسومات کا مسئلہ تو عورتوں سے متعلق ہے اس میں ہمارا تو کوئی بس چلتا نہیں ۔ کاروبار چل نہیں سکتا جب تک بینکوں سے سودی لین دین نہ ہو۔ کیا کریں! مہنگائی بہت ہے ۔ گزارا مشکل ہے ۔ بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ ہے رشوت نہ لیں تو کام کیسے چلے گا؟ اب پردے کا رواج کہاں رہا ہے! ہم اپنی خواتین کو پردہ کرائیں گے تو دقیانوس اور رجعت پسند کہلائیں گے ــــ یہ بہانے بنا کر ہم نے زندگی کو تقسیم کر دیا ہے کہ ایک حصّہ میں تو شریعت کی پابندی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حصّہ بہت محدود ہے اور جو دوسرا وسیع تر حصّہ ہے وہ شریعت سے آزاد ہے ۔ تو قرآن مجید کی رو سے اس پہ تبصرہ وہ ہے جو میں نے سورۂ بقرہ کی آیت کے حوالہ سے ابھی آپ کو سنایا ہے ۔

اب آیئے دوسری آیت پہ ۔ وہ لوگ جو پہلی آیت کے تقاضوں ــــ تقویٰ اور اسلام ــــ پر کسی نہ کسی درجہ میں عمل کر رہے ہوں ــــ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ کر چکے ہوں ۔ اس لئے کہ انسان موت تک بھی یہ طے نہیں کر سکے گا کہ میں یہ تقاضے پورے کر چکا ۔ کون شخص یہ دعویٰ کر سکے گا کہ میں نے اللہ کا اتنا تقویٰ اختیار کر لیا جتنا کہ اس کا حق ہے ۔ کوئی انسان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب صحابہ کرامؓ گھبرا گئے تو ہم میں سے کون ہو گا جو اس کی جرأت کر سکے ۔ لہٰذا جو اس پر عمل کر رہے ہوں ۔ اس کے لئے کوشاں ہوں، اس کے لئے مسلسل جدوجہد کر رہے ہوں ۔ اب ان کو آپس میں جڑنا ہے جب تک وہ آپس میں مربوط نہیں ہوں گے ۔ بنیان مرصوص نہیں بنیں گے، ایک اجتماعی قوت و طاقت نہیں بنیں گے اس وقت تک وہ دنیا میں کوئی مؤثر اور نتیجہ خیز کام نہیں کر سکتے ۔ آپ کو کوئی بھی چھوٹا بڑا کام کرنا ہو ۔ خواہ وہ بھلائی کا ہو یا برائی کا ہو، اس کے لئے اجتماعیت ناگزیر ہے ۔ اب بات سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش کر رہا ہوں کہ جیب کاٹنے کا جو لوگ پیشہ اختیار کرتے ہیں ان کا بھی اپنا ایک gang نہ ہو، ایک گروہ نہ ہو، ان کا کوئی گروہ نہ ہو اور وہ شہر کے علاقے تقسیم نہ کرتا ہو ۔ روزانہ سارے جیب کترے اپنی کمائی لے جا کر اس کے قدموں میں نہ ڈال دیتے ہوں ۔ تو یہ پیشہ بھی "کامیابی" سے نہیں چل سکتا ۔ ڈاکوؤں کا آپ کو معلوم ہے کہ بڑا مضبوط gang ہوتا ہے ۔ ان میں بڑا سخت نظم ہوتا ہے ۔ ورنہ وہ کیسے بڑے بڑے ڈاکے ڈال سکیں گے! پس معلوم ہوا کہ کوئی کام چاہے خیر کا ہو یا شر کا ہو ۔ اس کے لئے اجتماعیت ناگزیر ہے اور اس کے ہر کارکن کا باہم مربوط ہونا لازم ہے ۔ خیر کا سب سے عظیم کام وہ ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیا

میں اس کا آگے ذکر کروں گا۔ اس کام کے لئے ظاہر بات ہے کہ اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ لیکن جس طرح کسی فصیل کے لئے پختہ اینٹ کی ضرورت ہے۔ آپ ناپختہ اینٹ کو لگادیں تو دیوار کمزور رہے گی۔ لہٰذا پہلی چیز کیا ضروری ہے؟ یہ کہ ہر اینٹ پختہ ہو۔ اب اسلامی اجتماعیت میں اینٹ کی جگہ فرد کو متصوّر کیجئے۔ ہر اینٹ کی پختگی کا پروگرام تو پہلی آیت میں آچکا: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔
اب ان اینٹوں کو باہم جوڑنا ہے۔ خود بخود سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو جوڑنے والا مسالہ کونسا ہے؟ اس کا جواب ہے اس دوسری آیت میں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ "اور مضبوطی سے پکڑلو اللہ کی رسّی کو سب مل جل کر سب کے سب" یا اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ "پوری رسّی کو" یہاں جَمِیْعًا حال ہے۔ کس کے لئے حال ہے؟ جن کو حکم دیا جارہا ہے وہ سب کے سب مل جل کر اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں۔ ایک یہ تاکید حبل اللہ کے لئے ہے۔ دوسری یہ کہ پوری رسّی کو تھامیں۔ اس کے کسی ایک جُز کو نہیں۔ اب یہ رسّی کونسی ہے؟ یہ ہے اصل سوال۔ یہاں قرآن مجید کے اصولوں میں سے ایک اصول کو جان لیجئے! اگر قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ یا حکم آگیا ہے جس کی وضاحت درکار ہے۔ ابھی بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی تو پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کرو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کی تشریح کر دیتا ہے۔ مفسّرین کے یہاں یہ اصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ قرآن کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کی تفسیر کر دیتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ آپ کو قرآن مجید میں کہیں دوسری جگہ اس کی توضیح نہیں ملی۔ اب قرآن مجید کو سمجھنے کا دوسرا ذریعہ کیا ہے؟ وہ ہے سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے کہ اے نبی! یہ آپؐ کا فرضِ منصبی ہے کہ جو کتاب ہم آپ پر نازل کر رہے ہیں آپ اس کی وضاحت فرمائیں: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ "اے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) یہ الذکر، یہ کتاب، یہ قرآن، یہ نصیحت آپؐ پر نازل کی گئی ہے تاکہ آپؐ اس کی تبیین کریں، اس کی وضاحت کریں ان لوگوں کے لئے جن کے لئے اسے ہم نے اتارا ہے"۔ لہٰذا ہمارا دوسرا طریقہ کیا ہوگا؟ یہ کہ سنّت و حدیثِ رسولؐ کی طرف رجوع کریں کہ یہاں جو 'حبل اللہ' فرمایا گیا ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ مجھے ان حضرات سے اختلاف ہے جنہوں نے اس

کے معنی خود معین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ اگر حدیث میں نہ ہوتا اور وہ مرفوع احادیث نہ ہوتیں۔ مرفوع حدیث اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں صحابیؓ یہ فرمائیں کہ حضورؐ نے یہ فرمایا۔ تو قرآن مجید کے بارے میں جہاں ہمیں مرفوع حدیث مل جائے اور وہ ثقہ ہو، مضبوط ہو، مستند ہو، روایت کے اعتبار سے قابل اعتماد ہو تو پھر اس کے بعد بھی اپنا اقوال لگانے کی کوشش کرنا، اپنا فلسفہ بیان کرنا۔ میرے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہو جائے گی۔ جہاں کوئی چیز نہیں ملی وہاں آپ غور کیجیے، اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائیے لیکن جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مل جائے وہاں اپنی عقل، اپنی سوچ، محض لغوی معنوں پر بحث میرے نزدیک غلط ہے۔ اب میں اختصار کے ساتھ آپ کو حضورؐ کی تین احادیث سنا دیتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'حبل اللہ' کا کیا مفہوم و مطلب معیّن فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کی عظمت و فضیلت کے بارے میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں حضورؐ نے قرآن کے بارے میں فرمایا: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ۔ یہ قرآن ہے اللہ کی "مضبوط رسی"۔

دوسری حدیث حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب ہی وہ رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے"۔

تیسری حدیث طبرانی کبیر میں حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور بڑی پیاری حدیث ہے۔ اس کے اندر جو تفصیل آئی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کو سن کر تھوڑی دیر کے لئے انسان اپنے آپ کو اس ماحول میں موجود محسوس کرنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے برآمد ہوئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں چند صحابہؓ بیٹھے ہوئے ہیں اور قرآن پڑھ رہے ہیں، سمجھ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں۔ گویا قرآن مجید کا مذاکرہ ہو رہا ہے۔ حضورؐ کے چہرہ مبارک پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ آج آپ حضرات بھی یہ سوال اپنے آپ سے کیجیے اور پھر سوچئے کہ جو جواب صحابہ کرامؓ نے دیا تھا کیا وہ جواب ہم بھی اپنے قلب کی گہرائی سے دے سکتے ہیں! سوال کیا تھا! اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ

اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؟ "کیا تم اس بات کے گواہ نہیں ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے ؟" صحابہ کرامؓ کا جواب تھا : بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ "یقیناً اے اللہ کے رسول" (صلّی اللہ علیہ وسلّم) —— اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم بھی قلب کی گہرائی سے یہی گواہی دے سکیں ۔ اپنی زبان کی نوک سے تو ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ لیکن جب یہ گواہی ہمارے قلب کی گہرائی سے ابھرے تب ہے اصل گواہی ۔جس کے لئے اقبال نے کہا ہے ہر دے تو بھی **محمّد** کی صداقت کی گواہی ۔صلّی اللہ علیہ وسلّم —— بہر حال جب صحابہؓ نے یہ جواب دیا : بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔تب حضورؐ نے فرمایا : فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ فَتَمَسَّکُوْا بِہٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَھْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا ۔ "تو اب خوشیاں مناؤ ۔ اس لئے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ۔پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو ۔ اگر تم نے اسے تھامے رکھا تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہو گے نہ کبھی گمراہ " —— اب بتائیے کہ ان تین احادیث کے بعد بھی کچھ اور کہنے کی گنجائش ہے ؟ کہ حبل اللہ کا مفہوم قرآن مجید کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے ۔کیا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان ارشادات کے بعد میرا یا کسی اور کا ، کسے باشد ، یہ حق باقی رہ سکتا ہے اور تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حبل اللہ کا کوئی دوسرا مفہوم بیان کر سکے ۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے واضح طور پر معیّن فرمایا کہ 'حبل اللہ' قرآن مجید ہے ۔علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں فارسی میں کہا ہے کہ : اعتصامش کن کہ حبل اللہ است او "تھامو اس قرآن کو مضبوطی کے ساتھ اس لئے کہ حبل اللہ یہی ہے ۔"

پس ایک اور عملی نکتہ یہ ہوا کہ : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ! اللہ کی اس رسّی یعنی قرآن مجید سے مضبوطی کے ساتھ چمٹ جاؤ ! —— عربی میں عصمت کہتے ہیں حفاظت کو —— اور اعتصام کے معنی ہوں گے اپنی حفاظت کے لئے کسی سے چمٹ جانا ۔ کوئی چھوٹا سا بچہ ہے ۔ اگر کسی وقت اسے کسی طرف سے کوئی اندیشہ ہو، خطرہ ہو، کوئی خوف ہو تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ بے اختیار اپنی ماں کی گود کی طرف لپکتا ہے اور اس کے سینہ سے چمٹ جاتا ہے ۔ اس کے ذہن کی جو چھوٹی سی دنیا ہے اور اس کا جو چھوٹا سا

پیمانہ ہے، اس کے مطابق ماں کے سینہ سے چمٹ کر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں قلعہ میں آگیا ہوں ۔ اب مجھے پوری حفاظت حاصل ہوگئی ہے ـــــ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ کوئی شقی القلب انسان ماں کی گود سے بچّے کو چھینے، اس کو اچھالے اور نیزے کی انی میں پرو دے، جیسا کہ قیامِ پاکستان کے فسادات کے وقت اور ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے سقوط کے سانحہ کے موقع پر عملاً ہو چکا ہے ـــــ بہرحال اعتصام کا مفہوم ہے حفاظت کے لئے کسی سے چمٹ جانا ۔ چنانچہ فرمایا : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ اس قرآن مجید کو، اللہ کی اس اس رسّی کو مل جُل کر مضبوطی کے ساتھ تھام لو ۔ اس کے ساتھ مل جُل کر چمٹ جاؤ یا پورے کے پورے قرآن کو تھامو، ادھورے کو نہیں ۔ ادھورے کو تھاموگے تو وہی بات ہو جائے گی جو میں ابھی عرض کر چکا ہوں : اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج "کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے" ـــــ جَمِیْعًا کے لفظ میں یہ دونوں مفاہیم شامل ہیں کہ مل جُل کر قرآن کو تھامو، اس سے چمٹ جاؤ اور یہ کہ پورے کے پورے قرآن کو تھامو، اس کے ایک حصّہ اور جزو کو نہیں ـــ اسی کو مؤکد کیا گیا یہ فرما کر کہ وَلَا تَفَرَّقُوْا ۔ اور اس معاملہ میں تفرقہ میں نہ پڑ جانا ۔

اس کے بعد اس دور سے جس میں قرآن مجید نازل ہو رہا تھا، تاریخی طور پر ایک گواہی پیش کی گئی ۔ ارشاد فرمایا : وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ۔ "(اے مسلمانو) اور یاد کرو اللہ کا اپنے اوپر احسان اور نعمت" ـــ خطاب کن لوگوں سے ہے اسے ذہن میں رکھئے ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے مخاطب ہیں مہاجرین اور انصار اور اس میں دوسرے لوگ بھی شامل ہیں ـــــ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً "جب تم آپس میں دشمن تھے" ۔ فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ "پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی" ۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ج ۔ پس اللہ کے انعام و اکرام سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے" ـــــ مدینہ کے دو قبیلوں اوس و خزرج میں بڑی پرانی دشمنی تھی جس کے نتیجہ میں اسلام سے قبل ان میں بڑی خونیں جنگیں ہوتی رہی تھیں ـــــ علاوہ ازیں عرب میں دوسرے قبائل میں بھی بات بات پر جنگیں ہوتی رہتی تھیں ۔ الغرض پورے عرب میں بدامنی تھی ۔ وہ تو صرف قریش کو امن حاصل تھا وہ بھی خانہ کعبہ کی بدولت ۔ چونکہ وہ اس کے متولی تھے ۔ اسی بات کو سورۃ القریش میں بطور احسان بیان فرمایا گیا ہے ۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ	اس لیے کہ قریش کو مانوس کردیا ان کو جاڑے
الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ فَلْیَعْبُدُوْا	اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے باعث
رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ الَّذِیْٓ	ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیئے
اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ	جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور ان
اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝	کو خوف سے امن دیا۔

ورنہ پورے عرب میں خانہ جنگی تھی۔ لوٹ مار، غارت گری اور بدامنی کا بازار گرم تھا۔ اوس و خزرج کی جس دشمنی کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ایک سو سال سے چلی آرہی تھی اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کی عداوت اور خانہ جنگی کی وجہ سے ختم ہو رہے تھے ـــــ فرمایا کہ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تشریف لائے ۔ اس قرآن نے تمہیں آپس میں جوڑا ۔ تمہیں بنیانِ مرصوص بنا دیا ۔ ورنہ تمہاری کیفیت اور حالت تو یہ تھی : وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ "اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تک جا پہنچے تھے۔ اس میں گر کر تباہ ہو جانے والے تھے ۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا " تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا " بلکہ اس کی ترجمانی یہ ہوگی کہ گویا آگ کے اس گڑھے سے نکال لیا ۔ آدھے گر چکے تھے ۔ دامن پکڑ کر تمہیں کھینچ لیا ۔ اس آیت کا اختتام ہوتا ہے ۔ ان الفاظِ مبارکہ پر كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ "اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاسکو !"

میں اس ضمن میں چاہوں گا کہ ہم ذرا اس وقت اپنے حالات پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں چونکہ یہ ایک تاریخی نقشہ ہے جو قرآن نے کھینچا ہے ۔ ایک تاریخی آئینہ ہے جو قرآن ہمارے سامنے پیش کرتا ہے ۔ آئیے اس آئینہ میں ہم اپنی صورت بھی دیکھ لیں، ہمارا حال یہ ہے کہ پاکستان دو لخت ہوا ۔ وہ تو چودہ برس پہلے کا سانحہ اور حادثہ ہے ۔ اگرچہ اس کے زخم ابھی تک رس رہے ہیں ۔ بہاریوں کا مسئلہ اس وقت سے تاحال معلق چلا آرہا ہے ۔ یہ اسی کے زخم تو ہیں ۔ پاکستان کے لئے انہوں نے ایک مرتبہ ہجرت کی پھر سانحہ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد وہ دوسری ہجرت پر مجبور ہوئے ۔ پاکستان کی خاطر ان کا کچھ حصہ یہاں منتقل ہوا ہے اور کثیر حصہ تاحال بنگلہ دیش میں کسمپرسی اور نہایت ہی خراب حالات میں پڑا ہوا ہے ۔

بنگلہ دیشی ان کو اپنے ملک کا شہری تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ وہ انہیں پاکستانی قرار دیتے ہیں اور پاکستان کی حکومت ان کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ۔ وہ اسے اپنے لئے ناقابل برداشت بوجھ سمجھتی ہے ۔ پھر جو ہمارے بہاری مسلم بھائی اور پاکستانی بھائی یہاں منتقل ہو چکے ہیں وہ جس حال میں ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ۔ وہ ہم سب کے علم میں ہے ۔

پھر یہ بچا کھچا پاکستان ہمارے لئے بہرحال ایک دارالامن تو ہے لیکن اس پر مصائب کی جو گھٹائیں چھا رہی ہیں وہ کسی دردمند دل سے پوشیدہ نہیں ہوں گی ۔ پانی کے معاملہ میں اللہ نے ہم پر تھوڑی سی تنگی کی ہے کوئی بہت بڑی تنگی بھی نہیں ۔ آخر ہم پر بھی وہی کچھ ہو سکتا تھا جو شمالی افریقہ میں ہو رہا ہے جو ایتھوپیا (حبشہ) میں ہو رہا ہے ۔ وہ کیا یہاں نہیں ہو سکتا لیکن اللہ کا فضل ہے کہ یہاں ایسی کوئی صورت حال درپیش نہیں آئی ۔ تھوڑی سی کمی آئی ہے لیکن اس صورت حال پر ہمارے ملک کے دو بڑے صوبوں کے وزراء اعلیٰ میں جو تلخ و تند بیان بازی ہوئی ہے وہ کس کو معلوم نہیں ؟[1] خدانخواستہ اگر دو تین سال پانی کی اسی طرح کمی رہی تو اندازہ کیجئے کہ کیا ہو گا ۔ کس طرح کا سر پھٹول ہو گا ۔ کس طرح یہ صوبے آپس میں دست و گریباں ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک جھلک دکھا دی ۔ ــــــ اللہ تعالیٰ اس نوع کے تنازعات سے پاکستان کو محفوظ رکھے

پھر ملک کے بعض حصوں خاص طور پر آپ کے اس شہر کراچی میں جسے عروس البلاد کہا جاتا ہے پچھلے دو تین سالوں کے دوران متعدد بڑے خونیں شیعہ سنی فسادات ہو چکے ہیں ۔ یہ مذہبی اعتبار سے تصادم تھا ۔ لیکن ابھی پچھلے دنوں آپ کے شہر میں جو کچھ ہوا وہ مذہبی اختلاف کے باعث نہیں تھا وہ جو علاقائی قومیتوں کے نام سے چند سالوں سے ہمارے دوست نما دشمن کی جانب سے فتنہ اٹھایا گیا ہے ، جسے مختلف گوشوں اور مختلف طریقوں سے ہوا دی جا رہی ہے وہ اس آتش فشاں کا لاوا ہے جو پھٹا ہے[2] یہ علاقائی قومیتوں کے پرچار کا شاخسانہ ہے ۔ اس اعتبار سے غور کیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں ! پھر سندھ میں سندھی قومیت کو جس طرح ہوا دی جا رہی ہے اور حکومت کی سطح پر اسے نظر انداز کیا جا رہا ہے اور ملک کی سب سے بڑی مقتدر شخصیت اس شخص کے

---

[1] اشارہ ہے اس تنازعہ کی طرف جو جون میں پانی کی تقسیم کے ضمن میں پنجاب اور سندھ کی حکومتوں کے مابین ہوا تھا (مرتب)

[2] اشارہ ہے کراچی کے اس فساد کی طرف جو بہاریوں اور پٹھانوں کے مابین کافی شدید تھا ۔ (مرتب)

اہمیت کو تسلیم کرکے اس کی مزاج پرسی کے لئے اس کے آبائی گاؤں جاتی ہے[1] جو صرف سندھی قومیت کا سب سے بڑا پرچارک ہی نہیں بلکہ راجہ داہر کے دور اور اس کی تہذیب و ثقافت کو تمام سندھیوں کے لئے قابلِ تقلید قرار دے کر اس کو اختیار کرنے کی دعوت اور ترغیب دے رہا ہے۔ کیا ہم بھی اس طرح باہمی عداوت و نفرت کی آگ کے اس گڑھے کے کنارے تک نہیں آ چکے ہیں جس کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید کے ان الفاظ مبارکہ کی طرف: اِذْ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔

ابھی میں دائیں اور بائیں اطراف کی بات نہیں کر رہا کہ سرحد کے اس پار کیا ہو رہا ہے اور اس پار کیا ہو رہا ہے! راجیو گاندھی کے دورۂ امریکہ کے بعد بین الاقوامی سیاست کیا کروٹ بدل رہی ہے! ایسا نظر آ رہا ہے کہ اس طرح کی سیاسی Isolation جو نکسن صدرِ امریکہ کے دور میں ۱۹۷۱ء کی جنگ کے موقع پر ہوگئی تھی پھر نہ ہو جائے۔ اس دور میں امریکہ نے فی الواقع ہمارے ساتھ غداری کی تھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہی دور پھر آنے والا ہے۔ امریکہ کی دوستی پر کامل اعتماد میرے نزدیک سیاسی طور پر نابالغی کا ثبوت ہے۔ جو لوگ بھی بین الاقوامی حالات کے تیور پہچانتے ہیں انہیں نظر آ رہا ہے کہ امریکہ بڑی سے بڑی قیمت دینے کے لئے تیار ہوگا اگر انڈیا اس کی طرف ذرا سا بھی تیار ہو جائے۔ بلکہ اس کی طرف نہ جھکے لیکن صرف روس سے تھوڑا سا فاصلہ ہی کرلے تو انڈیا جو قیمت چاہے اسے دینے کے لئے امریکہ تیار ہے[2] اب آپ سوچ لیجئے کہ آپ کہاں کھڑے ہیں!

---

[1] اشارہ ہے جنابِ صدرِ مملکت کا جی ایم سید کی مزاج پرسی کے لئے ان کے گاؤں "سن" تشریف لے جانے کی طرف۔ (مرتب)

[2] محترم ڈاکٹر صاحب نے یہ بات ۲۶ جون ۸۵ء کے دوران درس کے دوران ارشاد فرمائی تھی — اکتوبر ۸۵ء میں مسٹر راجیو گاندھی کے دورۂ امریکہ کے موقع پر انڈیا اور امریکہ میں جو مبیّنہ خفیہ سازباز ہوئی ہے وہ مسٹر راجیو سے ہضم نہیں ہوسکی اور پبلک میں ان کی زبان سے یہ راز افشا ہوگیا۔ کہ صدر ریگن صاحب نے انڈیا کو پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر فضائی حملہ کی اجازت دے دی ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ امریکی حکومت کے ترجمان کی طرف سے ہیرپھیر کے ساتھ اس کی تردید کردی ہے۔ صدر ریگن کی طرف سے اس کی برملا کوئی تردید نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے اس اندیشہ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ انڈیا کی طرف سے کوئی اقدام اٹھایا جائے۔ (مرتب)

ہمارے خارجی حالات یہ ہیں۔ روس جیسی سُپر پاور کا سیلاب آج ہماری سرحدوں سے ٹکرا رہا ہے۔ نہ معلوم کتنی مرتبہ افغانستان کی طرف سے فضائی خلاف ورزیاں اور ہمارے سرحدی علاقہ پر بمباریاں ہو چکی ہیں لیکن ہم افغانستان کے سفیر کو بلا کر صرف احتجاج نوٹ کرانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکے۔ دنیا میں کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ ان فضائی حملوں اور خلاف ورزیوں کے پیچھے دراصل روس ہے۔ داخلی معاملات کی جھلک میں آپ کو دکھا چکا ہوں۔ خارجی معاملات کا رُخ ان واقعات سے لگائیے۔ ان حالات میں آدمی اپنے کاروبار میں اور اپنے ائیر کنڈیشن بنگلہ میں مطمئن اور بے حِس ہو کر اور پھیلا پاؤں پھیلا کر مگن رہے اور حال اس شعر کے مصداق ہو جائے کہ اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے ۔۔۔ تو اس طرح خطرات تو نہیں ٹل سکتے جو ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ اور ۔۔۔ اگر ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں جو بلّی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے حالانکہ اس سے خطرہ ٹل نہیں جاتا۔ اگر ہمارے یہی لچھن رہے کہ اِنَّهٗ فِیْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۔ ہم اپنے اہل و عیال، اپنے کاروبار اپنے عیش و آرام ہی میں مگن رہیں تو دوسری بات ہے لیکن اگر حالات کو چشم بصیرت سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس آیت مبارکہ کے یہ الفاظ ہماری موجودہ کیفیات پر بالکل منطبق ہو رہے ہیں کہ: وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ۔۔۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید ہمارے لئے ابدی رہنمائی لے کر آیا ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم میں تدبر کے نتیجہ میں ہر قسم کے حالات، کیفیات اور واقعات کے لئے ہمارے سامنے عملی رہنمائی آجاتی ہے۔ جیسے ہم ختم قرآن کی دعا میں کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّ نُوْرًا وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً "اے اللہ اس قرآن کو ہمارا امام بنا دے، اسے ہمارے لئے نور بنا دے، اسے ہمارے لئے رہنمائی بنا دے، اسے ہمارے لئے رحمت بنا دے"۔ لیکن یہ صرف کہنے سے تو نہیں ہوگا۔ اس قرآن کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا، اس قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا۔ یہ ہے اس لائحہ عمل کا آخری نکتہ جو ان دو آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ کے حاصل کے طور پر ہمارے سامنے آیا ہے۔

پہلا نکتہ ہے تقوٰی۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا۔ طبعاً اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچنا بھی شامل ہے۔ چونکہ رسول کے احکام درحقیقت اللہ ہی کے احکام ہوتے ہیں اور رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ بفحوائے ارشاداتِ ربانیہ ۔۔۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔۔۔

اور وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۔ اور اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۔

دوسرا نکتہ ہے اسلام : فرماں برداری۔ پوری زندگی میں اور ہر لمحہ، ہر لحظہ: وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ !

تیسرا نکتہ ہے : اعتصام بالقرآن ـــــ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا ۔ پورے قرآن کو مل جل کر مضبوطی سے تھامنا اور اس بارے میں تفرقہ میں نہ پڑنا۔

یہ وہ تین نکات ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ایک انسان انفرادی طور پر ایک بندۂ مومن بنتا ہے ۔ اب ان افراد کے مجموعہ سے جو اجتماعیت وجود میں آتی ہے اس کے لئے لائحہ عمل کون سے ہے اس کا بیان اگلی آیت میں آتا ہے ۔ یہ بھی سہ نکاتی لائحہ عمل ہے ۔

(جاری ہے)

حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

اپنی تالیف **وحدتِ اُمت** میں اگر

○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح اور مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ

کے دو ایمان افروز اور سبق آموز واقعات کے سوا اور کچھ نہ لکھتے

تب بھی یہ کتاب موتیوں میں تُلنے کی مستحق ہوتی

وقت کے اہم ترین موضوع پر اس بہترین اور مفید ترین کتاب کو

اب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شایانِ شان طور پر شائع کیا ہے

بڑے سائز کے ۲۵ صفحات ○ عمدہ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ھدیہ : ۴ روپے ○ علاوہ محصول ڈاک

قسط ۵

ھدایت القرآن

مولانا محمد تقی امینی

پھر پہلے سبق (سورۂ فاتحہ) میں اللہ کے ذکر کے بعد انسان کا ذکر ہے، اللہ کی طرح انسان کا بھی ذکر اس کی نہایت جامع اور دلکش صفتوں کے ساتھ ہے اور وہ ہیں (۱) بندگی و (۲) حاجت مندی اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) میں انسان صرف اللہ کے سامنے اپنی بندگی و حاجتمندی کا اقرار کرتا ہے کسی اور کے سامنے نہیں کرتا ہے، اللہ کی بندگی میں آنے کے بعد دنیا میں ہر ایک کی بندگی سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اللہ کے در کا سوالی بن کر کسی اور کے در کا سوالی بننا اس کی حمیت و غیرت کے خلاف ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے غور کرنے کی ہے کہ انسان کے تعارف میں اس کی عظمت و بڑائی کی کسی صفت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان صفتوں کا ذکر ہے جو اس کی کمزوری و عاجزی ظاہر کرتی ہیں اس کی کئی وجہ ہو سکتی ہیں مثلاً

(۱) اللہ کی رحمت و محبت کو جس قدر کمزوری و عاجزی کھینچتی ہے عظمت و بڑائی اس قدر نہیں کھینچتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی رحمت و محبت کو قیامت کے دن عبدیت و بندگی ہی کی صفت کی طرف متوجہ کریں گے اور فرمائیں گے۔

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ	اگر آپ انہیں عذاب دیں تو وہ آپ
وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ	کے بندے ہیں اور اگر آپ انہیں معاف
الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ	کردیں تو آپ غلبہ والے حکمت والے
(المائدہ آیت ۱۱۸)	ہیں۔

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے موقع پر اسی صفت کے ذکر کے ساتھ اللہ کی رحمت و محبت کو متوجہ کیا تھا چنانچہ یہ دعا فرمائی تھی۔

اللھم انك ان تهلك هذه	اے اللہ اگر آپ یہ چھوٹی سی جماعت

العصابۃ فلا تعبد فی الارض — ہلاک کردیں گے تو زمین میں آپ کی خالص
(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰) — عبادت نہ کی جائے گی۔

اس موقع پر اللہ کی چونکہ وہی صفتیں (ربوبیت ، رحمت اور عدالت) مذکور ہیں جو اس کی بے پایاں محبت ورحمت کو ظاہر کرتی ہیں اس بنا پر انسان کی وہی صفتیں موزوں قرار پائیں جو اس کی رحمت و محبت کو زیادہ سے زیادہ کھینچنے والی ہیں۔

(۲) انسان میں عظمت وبڑائی کی جس قدر صفتیں ہیں وہ مخلوق کی نسبت سے ہیں کہ دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں وہ بے پناہ عظمت اور بڑائی والا ہے ، بندگی وحاجت مندی کی صفت اللہ کی نسبت سے ہے کہ اس کے مقابلہ میں وہ نہایت عاجز وکمزور ہے۔ یہاں انسان کا ذکر چونکہ اللہ کے ساتھ ہے اس بنا پر وہی صفتیں مناسب ہوئیں جو اللہ کی نسبت سے ہیں اگر کسی مخلوق کے ساتھ انسان کا ذکر ہوتا تو عظمت وبڑائی کی صفتوں کا ذکر مناسب ہوتا۔

(۳) عظمت وبڑائی کا اصل مستحق اللہ ہے انسان کو جس قدر حصہ ملا ہے وہ اسی صفت کا پرتو اور سایہ ہے لیکن بندگی وحاجت مندی انسان کی خاص صفت ہے اللہ کی کسی صفت کا پرتو اور سایہ نہیں ہے کہ اللہ کمزوری وعاجزی سے پاک ہے اس بنا پر انسان کے ذکر میں اس کی خاص صفت ہی اہم قرار پائی۔

(۴) انسان کی صفتوں میں سب سے زیادہ محبوب وپسندیدہ اللہ کی بندگی وحاجتمندی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے برگزیدہ بندوں اور پاکیزہ انسانوں کو اسی صفت کے ساتھ یاد کیا اور مخاطب کیا چنانچہ مختلف پیغمبروں کا بیشتر تذکرہ اسی صفت کے ساتھ ہے مثلاً

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا — بے شک وہ شکر گزار بندے
(الاسراء آیت ۳) — تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ — اور یاد کرو ہمارے بندے داؤد قوت
(ص آیت ۱۷) — والے کو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ	اور یاد کرو ہمارے بندے ابراہیمؑ اور
وَيَعْقُوبَ (ص آیت ۴۵)	اسحٰق اور یعقوبؑ کو

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اہم مقامات پر بھی اسی صفت کے ساتھ ہے مثلاً

سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ	پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو
لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى	راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ بٰرَكْنَا	(بیت المقدس) تک جس کو ہم نے برکتوں
حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (اسراء آیت ۱)	سے گھیر رکھا ہے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت
تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ	کی نشانیاں دکھائیں بڑی بابرکت ہے وہ
عَلٰى عَبْدِهٖ۔	ذات جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کی کتاب
(الفرقان آیت ۱)	(قرآن) اتاری)

انسان کا یہ تعارف اگرچہ اس کی عاجزی وکمزوری کے ساتھ ہے لیکن ان مضمون میں ایک عظیم انسان پوشیدہ ہے جس کی عظمت وبڑائی اور قوت وطاقت کے آگے دنیا کی ساری چیزیں جھکی ہوئی ہیں صرف اللہ کی بندگی اور اس کے سامنے حاجت مندی نے انسان کا درجہ اس قدر بلند کر دیا کہ اب دنیا کی ہر چیز اس سے کمتر و فروتر ہوگئی وہ خادم اور انسان مخدوم ہوگیا۔ وہ محکوم اور انسان حاکم بن گیا، بلاشبہ دنیا میں ایک سے ایک بڑی چیزیں موجود ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو عظمت میں انسان سے بڑی ہو۔ قرآن میں بڑی سے بڑی چیزوں کا ذکر ہے سورج، چاند ستارے، آسمان و زمین دریا و پہاڑ وغیرہ۔ لیکن ہر ایک کے ذکر کے ساتھ خاص طور سے ہے کہ ساری چیزیں انسان کے استعمال کرنے نفع پہنچانے اور برقرار رکھنے اور ان کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے ہیں کوئی بھی ان میں ایسی نہیں ہے کہ جس کے سامنے انسان اپنی بندگی و حاجت مندی کا اظہار یا اقرار کرے مثلاً

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا	اور اللہ نے تمہارے لیے کام میں لگا
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ	دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ
(الجاثیہ آیت ۱۳)	زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي	اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے

الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ — زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔

(البقرہ آیت ۲۹)

انسان کے اس تعارف نے انسان ہی کی اصل حقیقت واضح نہیں کی بلکہ توحید کی حقیقت بھی واضح کی اور شرک کے تمام دروازے بند کر دیئے اگر عظمت و بڑائی کی کسی صفت کا ذکر ہوتا تو اس سے یہ عظیم مقاصد نہ حاصل ہوتے، اسی طرح اس تعارف نے ہر انسان کو بحیثیت انسان ایک درجہ میں رکھا اور ہر ایک کو لائق احترام ٹھہرایا، اس میں رنگ و نسل، زبان و مذہب، حسب و نسب، غربت و امارت و پیشہ اور قرابت کی بنا پر کوئی فرق گوارا نہ کیا۔ اللہ ہر حال میں سب کا اللہ ہے اور بندہ ہر لحاظ سے اس کا بندہ ہے چنانچہ ہر پیغمبر نے بیک زبان ہو کر اپنی دعوت کا آغاز اسی جامع و دلکش صفت سے کیا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ — کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو بس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

(الاعراف آیت ۵۹)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ — اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور سرکش طاقت سے بچو۔

(النحل ۳۶)

اللہ نے کسی بڑے سے بڑے انسان کو یہ حق نہیں دیا کہ بندہ کی اس صفت سے ناجائز فائدہ اٹھائے یا اپنی طرف اس کی نسبت کرے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (آل عمران آیت ۷۹) — کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ میرے بندے ہو جاؤ لیکن وہ یہ کہے کہ رب والے ہو جاؤ۔

اس صفت کی یکسانیت ہی کی بنا پر اللہ نے فرمایا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ — ہم نے انسان کو معزز بنایا۔

(بنی اسرائیل آیت ۷۰)

اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان العباد کلھم اخوۃ — سب بندے بھائی بھائی ہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۹)

انھم امتہ واحدۃ — سب لوگ ایک امت ہیں

(سیرت ابن ہشام ج ا۔ الاموال لابی عبید ص ۳۰۴)

پھر پہلے سبق میں (سورۃ فاتحہ) میں ہدایت کا ذکر ہے وہ بھی صراطِ مستقیم (سیدھے راستہ) کی طرف ہدایت ہے انسان کی طرح اس کا ذکر بھی نہایت جامع اور دلکش صفت کے ساتھ ہے وہ ہے انعام پائے ہوئے لوگوں کا راستہ جن پر نہ اللہ کا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے بلکہ سرخرو و شاد کام رہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہدایت کے تعارف میں کسی ہدایت نامہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ہدایت پائے ہوئے لوگوں کا ذکر ہے اور مزید وضاحت کے لیے ان کا ذکر ہے جو ہدایت سے محروم رہے ہیں۔ یہ اندازِ بیان خود جامعیت و بڑی کشش رکھتا ہے کہ اس میں ہدایت کے فائدے (انعام و سرخروئی) و نقصان (محرومی و ناکامی) کا ذکر بھی موجود ہے۔

اللہ کی طرف سے پہلی ہدایت (رہنمائی) یہ ہوئی کہ جنت میں ایک درخت کے استعمال سے روک دیا گیا اور دوسری ہدایت اس وقت ہوئی جب انسان نے شیطان کی سازش سے اس درخت کو استعمال کر لیا جس کے نتیجہ میں جنت کی مراعات ختم کر دی گئیں یہاں تک کہ لباس بھی اتر گیا اور پتوں سے اپنی ستر پوشی پر مجبور ہو گیا، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ کے حرم (احکام میں نقب زنی (نافرمانی) اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے محروم کر دیتی ہے، پہلی ہدایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ — تم (آدم و حوا) دونوں اس درخت کے قریب بھی نہ جاؤ۔

دوسری کے الفاظ یہ ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(سُورۃ اعراف آیت ۲۳)

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اُوپر ظلم کیا ہے اگر آپ ہماری معفرت نہ فرمائیں گے ہمارے اوپر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم

خسارہ پانیوالوں میں ہو جائیں گے۔

اس میں انسان کی بندگی و حاجت مندی کی صفت کو ابھار کر اللہ کی رحمت و مغفرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جس سے اس بات کی تعلیم مقصود ہے کہ غلطی کے بعد اللہ کے حضور عجز و نیازی کی گردن جھکا دی جائے اور اس کی رحمت و مغفرت کا سوالی بن کر معافی و تلافی کی جائے۔

پھر غلطی کی معافی کے بعد یہ ہدایتیں دی گئیں۔

(۱) انسان اور شیطان کے درمیان دشمنی و رسہ کشی ہمیشہ جاری رہے گی۔ اس سے ہوشیار رہنا۔

(۲) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ — تم (انسان اور شیطان) ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔

(۲) دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے ایک مقررہ مدت تک رہنا ہے۔

(۳) دنیا میں بیکار نہیں رہنا ہے بلکہ وہاں کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۔ — تمہیں ایک خاص مدت تک زمین میں رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

(۴) دعاء استغفار (بندگی و عاجزی کے اظہار) کے چند کلمے بھی سکھا دیئے گئے۔

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔ — پھر آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھ لیے تو اس نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

(۵) ہدایت بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کر دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ کامیابی و ناکامی ہدایت پر موقوف ہو گی جو اس کے مطابق زندگی گذارے گا وہ کامیاب سمجھا جائے گا اور جو اس سے محرومی کی زندگی گذارے گا وہ ناکام ہو گا۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔ — اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے میری آیتوں کو وہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(سورہ بقرہ آیت ۳۵ تا ۳۹)

یہ ہدایتیں اس وقت کی ہیں جب کہ حضرت انسان اس دنیا کے کاروبار میں مشغول نہ ہوئے تھے۔ لیکن جب مشغولیت کا وقت آیا تو جو ابتدائی ہدایتیں دی گئیں ان میں دنیا کی چیزوں کو استعمال کرنے ان سے فائدہ اٹھانے ان کو ترقی دینے کی طرف رغبت دلائی گئی ہے، اسی طرح درمیانی چال چلنے حد سے تجاوز نہ کرنے اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی تاکید ہے اور یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسولؐ سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے کو آتے رہیں گے اس کی روشنی میں جو اپنی زندگی درست رکھے گا کامیابی و سرخروئی ہوگی اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا اس کو محرومی و ناکامی ہوگی۔

دنیوی کاروبار میں مشغولیت کے وقت کی ابتدائی ہدایتیں یہ ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى
ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ
الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ
مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؎

اے اولادِ آدمؑ ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے لیے ستر پوشی ہے اور زینت بھی مزید برآں تقویٰ کا لباس ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہے یہ اللہ کی آیات ہیں تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔ اے اولادِ آدمؑ شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا ان کے لباس اتروا کر ان کے سامنے بے پردہ کر دے وہ اور اس کا گروہ تم کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے ہو، ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان سے محروم ہیں۔ اے اولادِ آدمؑ ہر مسجد کے حاضری کے وقت اپنے لباس پہنو اور کھاؤ پیو البتہ اسراف و فضول خرچی نہ کرو اللہ اسراف

؎ سورۂ اعراف آیت ۲۶ و ۲۷ ؎ و ؎ ایضاً ۳۱ و ۳۵

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اے اولادِ آدمؑ اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے
رسُول آئیں تم کو میری آیات سنائیں تو جو ڈرا اور جس نے اصلاح کر لی ان کے لیے نہ کوئی
خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہونگے۔ جو میری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور تکبر کر کے ان سے
اعراض کریں گے وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

ان ابتدائی ہدایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان ۔ اللہ کی رضا و خوشنودی ۔ دینوی مشاغل زندگی کے ساز و سامان اور اللہ کی طرف سے ہدایتیں ساتھ ساتھ چلتی رہی ہیں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ انسان رہا ہو اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایتیں نہ موجود رہی ہوں یہ علیحدہ بات ہے کہ لوگوں نے ان سے ٹھیک طرح فائدہ نہ اٹھایا ہو ان میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی کر لی ہو یا ان سے غفلت برتی ہو۔

ابتدا میں زندگی سادہ تھی دینوی مشاغل اور زندگی کے ساز و سامان سے واقفیت زیادہ نہ تھی یہ ہدایت ہی کا کارنامہ ہے کہ انسان کو دینوی مشاغل اور زندگی کے ساز و سامان کی طرف متوجہ کیا اور تقوی کی زندگی اختیار کرنے کی تاکید کی جس سے مشاغل میں اور ساز و سامان کے استعمال کرنے میں آزادی اور بے باکی سے بچاؤ ہوتا رہا۔ بلاشبہ عقل اس وقت بھی موجود تھی جس سے بجا طور پر ہدایت و رہنمائی کی توقع کی جاتی ہے لیکن ابتدا میں یہ عقل ایسی تھی کہ اس کو انگلی پکڑ کر چلانے کی ضرورت تھی اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت نے اس عقل کو بھی انگلی پکڑ کر چلایا اور اس قابل بنایا کہ وہ دینوی مشاغل اور زندگی کے ساز و سامان میں دخل اندازی کر سکے۔ اگر ابتدا ہی سے "ہدایت" نے نہ بتایا ہوتا کہ یہاں دینوی ضرورت سے فائدہ اٹھانا ہے، یہاں جسمانی و روحانی دونوں طرح کے لباس ہیں، یہاں زیب و زینت کے سامان بھی ہیں تو عقل کو ان کے پتہ لگانے میں کتنی دشواری ہوتی اور کتنی ٹھوکریں کھانی پڑتیں پھر بھی اس کے پاس صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) پانے کی ضمانت نہ رہتی، ان تمام پہلوؤں میں ہدایت کی کارگذاری کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے کردار سے بھی ہوتا ہے۔

وكذٰلك كل نبي استخلفهم في	اسی طرح ہر نبیؑ کو اللہ نے زمین کی
عمارة الارض وسياسة الناس	آبادکاری، لوگوں کی سیاست، ان کے نفوس
وتكميل نفوسهم وتنفيذ امره	کی تکمیل اور ان میں اپنا حکم نافذ کرنے
فيهم۔[1]	میں خلیفہ بنایا۔

---

[1] تفسیر بیضاوی سورہ بقرہ آیت: ۳۰۔

ان ابتدائی ہدایتوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی تہذیبی زندگی کی "پود" ابتداء ہی میں لگادی گئی ہے اور "ہدایت" ہی نے لگائی ہے پھر یہ زندگی اسی کے زیرِ سایہ رفتہ رفتہ پروان چڑھتی رہی ہے جیسی جیسی زندگی میں رونق آتی گئی اس کی ضرورتیں بڑھتی گئیں اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایتوں میں اضافہ ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ وہ ہدایتیں کامل و مکمل ہوگئیں انہی کے مجموعہ کا نام قرآن ہے جو اللہ کی رضا و خوشنودی دنیوی مشاغل اور زندگی کے ساز و سامان میں صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جو انعام پائے ہوئے لوگوں کا راستہ ہے ابتدا کی یہ چند ہدایتیں اس لیے ذکر کی گئی ہیں کہ ان سے "ہدایت" کا مزاج معلوم ہو زندگی کے کاروبار و مشاغل اور تہذیب و تمدن کی ابتدا و ترقی میں اس کا کردار سمجھ میں آئے اے اللہ اس ہدایت کی دعا کو قبول فرمالے۔ آمین۔

(جاری ہے)

ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور — خطبۂ نکاح — کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور۔

ہدیہ: ۳ روپے — محصول ڈاک علاوہ

افادات امام الہند شاہ ولی اللہ الدہلوی

ارتفاقات
یعنی
انسان کی ثقافتی زندگی کے مدارج

محمد مقبول عالم

امام ولی اللہ دہلویؒ نے ارتفاقات یعنی انسان کی ثقافتی زندگی کے مدارج و مراتب پر خاص طور پر بحثیں کی ہیں۔ "ارتفاقات" امام صاحب کے فلسفے کی خاص اصطلاح ہے۔ اس کا واحد 'ارتفاق' ہے۔ جس کا مادہ 'رفق' ہے اور جس کے معنی نرمی یا نرمی سے کام لینے کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو زندگی گزارنے کے سلسلے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان کو آسان کرنے کے لئے جو تدبیریں وہ سوچتا ہے۔ ان کو "ارتفاقات" کہتے ہیں۔ امام صاحب ارتفاقات کی دو قسمیں کرتے ہیں :۔

(۱) ارتفاقاتِ معاشیہ: انسان کو کھانے پینے، رہنے سہنے کے سلسلے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان کے حل کے طریقوں کا نام ارتفاقاتِ معاشیہ ہے۔

(۲) ارتفاقاتِ الٰہیہ : انسان کو جو فکری مشکلات پیش آتی ہیں اور اعلیٰ دماغی صلاحیتیں رکھنے والے لوگ جن مسائل پر سوچ بچار کرتے ہیں اور نہایت قیمتی نتائج پیدا کرتے ہیں ان مسائل کا تعلق انسان کی حقیقت، نظامِ صالح کا قیام، کائنات کی تدبیر، صفاتِ الٰہی کے دقائق اور اخروی زندگی کے واقعات ہوتا ہے۔ یہ سب ارتفاقاتِ الٰہیہ کہلاتے ہیں۔

امام صاحب ارتفاقاتِ معاشیہ کے چار درجے بیان کرتے ہیں۔

(۱) ارتفاقِ اول یعنی انسان کی دیہاتی زندگی۔ اس میں تمام ضروریاتِ زندگی کا انتظام کر لیا جاتا ہے۔

(۲) ارتفاقِ دوم، یعنی انسان کی شہری زندگی، اس میں میونسپلٹی کا نظام آجاتا ہے۔

(۳) ارتفاقِ سوئم، یعنی انسان کی قومی زندگی، اس میں قومی ریاست قائم ہو جاتی ہے۔
(۴) ارتفاقِ چہارم، یعنی انسان کی بین الاقوامی زندگی، اس میں تمام بین الاقوامی مسائل حل کئے جاتے ہیں۔

انسان نے اپنی "انسانی خصوصیات" کی بنا پر اپنی اجتماعی اور ثقافتی زندگی کی بنیاد رکھی ہے اور اسے ترقی دی ہے۔ اب جتنی کوئی قوم اجتماعیت میں ترقی کرے گی، اتنی ہی وہ مہذّب اور ترقی یافتہ ہو گی۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض یہ رہی ہے کہ وہ انسانوں کو ایسے طریقوں کی تعلیم دیں جن سے انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق بہتر بنا سکیں۔ لیکن چونکہ انسان کی معاشرتی اور معاشی زندگی کا اس کے اجتماعی اخلاق پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور معاشرے کا نظام خراب ہو جانے کی وجہ سے عوام بد اخلاقیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کو لازماً اجتماعِ انسانی کی معاشرت اور معاشیات کی اصلاح بھی کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ غلط خیالات، غلط رسوم اور غلط عادات کی اصلاح ہو کر صحیح عادات پیدا ہو سکیں اور ایسے ہی ان کی اخروی زندگی کی بھی اصلاح ہو جائے۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

> "اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصل غرض و غایت یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کو اولاً و بالذات اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلقاتِ عبودیت قائم کرنے کے طریقے سکھائیں، لیکن اس کے ساتھ رسوم فاسدہ کی بربادی اور ارتفاقات کے قیام کی ترغیب بھی وہ اپنے مشن کا جزو بنا لیتے ہیں۔"

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل بحث ۲ باب ۱۱ صد۶۰ طبع مصر)

یہ برگزیدگانِ الٰہی اس لئے نہیں آتے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کو توڑ پھوڑ کر محض رہبانیت قائم کریں۔ چنانچہ حضرت امام آگے فرماتے ہیں:

> "اللہ تعالیٰ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ انسان اپنی تمدنی زندگی کے دوسرے درجے (ارتفاق دوم) یعنی شہری زندگی کو ترک کر دیں یا تیسرے درجے (ارتفاق سوم) یعنی قومی زندگی سے بے توجہی برتیں اور نہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے [illegible] اس کا حکم دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ انبیاء یہ کبھی حکم نہیں دے سکتے جیسے کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے جو پہاڑوں کی غاروں، جنگلوں اور بیابانوں میں جا بسے، اجتماعی زندگی ترک کر دی

اور انسانی اجتماع کی بھلائی برائی سے بالکل الگ تھلگ زندگی بسر کرنے لگے اور وحشی جانوروں کی طرح ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جنہوں نے ترکِ دنیا کا ارادہ کیا اور فرمایا "میں رہبانیت لے کر مبعوث نہیں ہوا بلکہ ایک آسان دینِ حنیفی لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام نے تمدنی زندگی میں اعتدال پیدا کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ نہ تو عوام ارتفاقات میں باریک بینیوں اور تکلفات میں مبتلا ہو کر اسے عیاشی کی حد تک پہنچا دیں، جیسے کہ شاہانِ عجم تھے اور نہ اسے پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کے حال تک گرا دیں جو وحشیوں سے ملتے جلتے ہوں۔" (ایضاً صـ۱۰۱ طبع مصر)

خود نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"لما كان الشر السارى فى زمن ابراهيم عليه السلام هو نسيان التوحيد نزل الحق باذاته باشاعة التوحيد وتوليد العبادات من طهارة، صلوة و زكوة وحج وصوم و ذكر، ولما كان الشر السارى فى زمن نبينا محمد صلى الله عليه وسلم اختلال الملل والانقلاب الارتفاقات خاصة على اصحابها وكان الامر اشد واقسى نزل الحق باذاته بالجهاد واشاعة العبادات وتوقيتها والقضاء بزوال	چونکہ سیدنا ابراہیم کے زمانے میں نسیانِ توحید کا شر معاشرہ انسانی میں پھیل چکا تھا اس لئے اس شر سے دنیا کو پاک کرنے کے لئے حق اس شکل میں نازل ہوا کہ توحید کی اشاعت کی جائے اور طہارت، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور ذکرِ الٰہی کی عبادات پیدا کی جائیں۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شر اس صورت میں جاگزیں ہو چکا تھا، اقوامِ عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور ان کے ارتفاقات (معاشی اور معاشرتی زندگی) میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کر گئی تھی اور اس کی خرابی بہت دور تک پہنچ چکی تھی۔ اس لئے اب حق ان مرد توں کے لئے اس صورت میں نازل ہوا کہ (ان خرابیوں کے خلاف) جہاد کیا جائے اور

دولتہ الروم والعجم وانتظام امر النبوۃ کھیئۃ الارتفاق الرابع ففتح صلی اللہ علیہ وسلم بابا من الخیر لم یفتح قبلہ و انتظمت بہ امۃ من الناس ھی خیر امۃ اخرجت للناس۔

(تفہیمات الالٰہیہ جلد اوّل صفحہ ۶۱)

عبادات کی اشاعت کی جائے اور ان کے ادا کرنے کے اوقات معین کر دیئے جائیں اور حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں برباد کر کے ان کی جگہ نظام نبوی کو ارتفاق چہارم یعنی بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے (نوع انسان کے لئے) بھلائی کا وہ دروازہ کھل گیا جو اب تک نہ کھلا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسانوں کی ایک ایسی جماعت منظم ہو گئی جو نوع انسان کے لئے بہترین (نمونے کی) جماعت بن گئی۔

ارتفاقات یعنی انسان کی تمدنی زندگی کی ابتدا کیسے ہوئی! اور اس نے اپنی زندگی کی مشکلات آسان کرنے کے لئے کیسی تدابیر اختیار کیں! اس پر بحث کرتے ہوئے امام ولی اللہ دہلوی اپنی بےنظیر تصنیف حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل بحث ارتفاقات باب اوّل کیفیت استنباط الارتفاقات میں لکھتے ہیں کہ:

"واضح رہے کہ انسان کھانے، پینے، جذبہ جنس کی تسکین، دھوپ اور بارش سے بچنے اور سردی میں حرارت طلب کرنے وغیرہ حاجات میں اپنے ابنائے جنس یعنی حیوانات سے ملتا جلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انسان پر یہ عنایت ہوئی کہ اس نے انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق اسے الہام کیا کہ وہ کیسے ان حاجتوں کو پورا کرنے کے طریقے دریافت کرے۔ اس معاملے میں تمام انسانی افراد برابر ہیں سوائے ان کے جو ناقص الفطرت پیدا ہوں۔"

یہ الہام ایسے ہی ہے جیسے شہد کی مکھی کو الہام کیا جاتا ہے کہ وہ کیسے پھولوں سے رس چوسے، پھر کیسے چھتہ بنائے جس کے اندر اس نوع کے دوسرے افراد مل جل کر رہیں۔ پھر وہ کیسے اپنے سردار کی اطاعت کریں، پھر وہ کیسے شہد بنائیں۔ اور جیسے پرندے کو الہام کیا جاتا ہے کہ وہ کیسے غذا کی دانے تلاش کرے اور کیسے پانی پینے کے لئے جائے اور کیسے بلی اور شکاری سے بچنے کے لئے بھاگے اور کیسے

اپنی ضروریات حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والوں سے لڑے اور کیسے جذبۂ جنس کی خواہش کے وقت نر اپنی مادہ سے ملے، پھر وہ کیسے وہ دونوں کسی پہاڑ میں گھونسلا بنائیں، پھر وہ کیسے انڈوں سے بچے نکالنے میں ایک دوسرے سے تعاون کریں، پھر کیسے اپنے بچوں کو چوگا دیں

ایسے ہی ہر نوعِ حیوانی کے لئے ایک قانون ہے جسے ان کے نوعی تقاضے کے مطابق ان کے افراد کے سینوں میں ڈالا جاتا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی الہام کیا کہ وہ کیسے اپنی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے طریقے اختیار کرے "

یہاں تک انسان حیوانات سے ملتا جلتا ہے اور اسے بھی فطری طریقے سے الہام ہوتا ہے جیسے حیوانوں کو الہام ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے تین خصوصیات سے نوازا گیا ہے۔ ان کی وجہ سے انسان حیوانوں سے ممتاز ہوگیا ہے اور اس نے انسانی تمدن کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ کام حیوان نہیں کر سکے۔ جو قومیں ان خصائص کو ترقی دیتی ہیں اور ان سے زیادہ سے زیادہ کام لیتی ہیں۔ ان کا تمدن نہایت اعلیٰ و ارفع ہو جاتا ہے اور وہ دوسری اقوام پر فوقیت حاصل کر لیتی ہیں اور ان کی رہنما بن جاتی ہیں اور عزت کے مقام پر فائز ہو جاتی ہیں۔ یہ خصوصیات تین ہیں:

۱۔ رائے کلی یا رفاہ عام۔
۲۔ ظرافت یا حسنِ جمال۔
۳۔ مادۂ ایجاد و تقلید۔ یعنی عقل، آلات اور قوتِ اجتماعی کا استعمال۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

السیّد عطاء اللہ شاہ بخاری

قاری عبد القیوم

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

جب تک یہ دنیا قائم ہے بطل حریت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سورج کی طرح چمکتا رہے گا۔ مستقبل کا مورخ جب اُن مردان عزیمت کی داستان رقم کرے گا۔ جنہوں نے لیلائے آزادی کی تمنا میں پروانہ وار اپنی جانیں قربان کر دیں۔ تو لامحالہ بیسویں صدی کے اس سحر البیان خطیب پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کریگا۔ جس نے غلامی کی شب تیرہ و تار میں انگریزی سامراج کے خلاف کامیاب جدوجہد کی۔ جس کی شعلہ نوائیوں نے برطانوی استعمار کی بنیادیں ہلا ڈالیں اور انگریز باوجود اپنی بے پناہ قوت و شوکت کے اس برصغیر سے بوریا بستر باندھنے پر مجبور ہو گئے۔ خطابت میں جو کمال آپ کو حاصل تھا اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے اس بلبل ہزار داستان کو چہکتے ہوئے سنا اور دیکھا۔

سحر آفریں خطیب، اثر آفریں خطاب
اک موج ہے کہ شعلہ اُسے کوئی کیا کہے
ہر نکتے میں فنون فصاحت کی انتہا
ہر بات میں حروف، نگینے جڑے ہوئے
صورت گری مانی و بہزاد خوب تھی
لیکن ہے گرد نطق بخاری کے سامنے

اسی خطیبانہ عظمت نے آپ کو شہرت دوام بخشی اور تقریباً نصف صدی

تک برصغیر کی فضائیں اُن کی قلندرانہ صداؤں سے معمور ہیں جس فیاضی سے انہوں نے ہندوستان کے طول وعرض میں اپنی خطابت کے موتی بکھیرے ہیں، کوئی دوسرا مقرر اس میدان میں ان کا ہم پایہ نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی سیاسی اور تبلیغی زندگی کا ایک چوتھائی حصہ قید فرنگ میں بسر کیا۔ باقی تین چوتھائی حصہ خطابت ہی کی دشت پیمائی میں گذرا چنانچہ فرماتے ہیں، زندگی کیا ہے۔ تین چوتھائی ریل میں کٹ گئی ایک چوتھائی جیل میں۔

جتنے دنوں باہر رہا۔ لوگ گلے کا ہار بنے رہے۔ آج کلکتہ کل ڈھاکہ، ڈھاکہ سے لکھنؤ، لکھنؤ سے بمبئی پھر آگرہ، آگرہ سے دہلی، دہلی سے لاہور۔ لاہور سے پشاور پشاور سے کراچی، ذرا ہندوستان کے دیہات اور قصبات کا اندازہ کر لو، ہر کہیں گھوما پھرا ہوں سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو چھیاسٹھ تقریریں کی ہونگی۔ مرحوم کی قبر کو دیکھ کر کسی نے کہا۔

قرنہا دور آسماں گردد تا چو او اخترے عیاں گردد
عمرہا اکبر مکرمت بادد تا چو او گوہرے پدید آرد

سید الاحرار اسد الہند امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ و ۱۸۹۱ء کو جمعہ کے روز نور کے تڑکے صوبہ بہار کے دارالحکومت پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ددھیال کی طرف سے عطا اللہ اور ننھیال کی جانب سے شرف الدین احمد نام رکھا گیا۔ خوش نصیب باپ کا اسم گرامی سید ضیاء الدین احمد اور دادا کا نام نامی نور الدین احمد تھا۔ آپ حضرت حسنؓ کی اولاد سے تھے چنانچہ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۶ ویں پشت میں سیدنا حضرت حسنؓ سے مل جاتا ہے۔ مرحوم آغا شورش نے لکھا ہے کہ شاہ جی کے خاندان کا شجرۂ نسب آپ ہی کے ایک عزیز سید مقیم شاہ بخاری سابق ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس حیدر آباد (دکن) کے پاس محفوظ تھا جو بدقسمتی سے ۱۹۴۷-۴۸ء کے انقلاب میں ضائع ہو گیا۔

خاندانی حالات

شاہ جی کے آباؤ اجداد بخارا سے آکر کشمیر میں آباد ہو گئے تھے کہتے ہیں۔ سلطان زین العابدین والئی کشمیر کے زمانے میں انہیں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ ان کی رحلت پر خاندان کے لوگ

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ چنانچہ خاندان کے بعض افراد گجرات (پنجاب) میں آکر بس گئے اور بعضوں نے پٹنہ (صوبہ بہار) میں سکونت اختیار کرلی۔ آپ کے والد بزرگوار سید ضیاء الدین احمد کی شادی پٹنہ کے ایک بزرگ حکیم سید احمد شاہ اندرابی کی دختر نیک اختر سیدہ فاطمہ اندرابی سے ہوئی۔ اور شادی کے بعد وہیں رہنے لگے کہا جاتا ہے کہ حکیم سید احمد شاہ اندرابی ایک باکمال طبیب ہونے کے علاوہ علوم دینیہ میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ قدرت نے ان کی آواز میں جادو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ آپ کے دادا سید نورالدین احمد بخاری مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں بقید حیات تھے۔ اور گجرات کے ایک گاؤں سرہالی میں سکونت پذیر تھے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا تو آپ ایک دوسرے گاؤں ناگڑیاں چلے گئے اور پھر باقی ماندہ زندگی وہیں بسر کی بڑے صاحب فقر و استغنا بزرگ تھے۔ ان کی ذات سے ایک عالم کو فیض پہنچا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

آپ ابھی ۳-۴ سال ہی کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کی رحلت پر والد نے پٹنہ کو خیر باد کہہ کہ گجرات کی راہ لی اور وہاں پہنچ کر دوسری شادی کرلی۔ امیر شریعت رح ننھیال ہی میں رہے جہاں نانا اور نانی صاحبہ نے مرحومہ بیٹی کی نشانی سمجھ کر بڑی شفقت سے پالا قدیم دستور کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ چنانچہ نانا مرحوم سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور نانی مرحومہ سے [illegible] میں مہارت پیدا کی۔ آپ کے عالم [illegible] نانا کا مکان شعر و ادب کی محفلوں کا مرکز تھا شاد عظیم آبادی اکثر [illegible] کرتے تھے آپ کو ان کی صحبت سے بھی بڑا فیض حاصل ہوا

پنجاب کا رخ

نانا و نانی کی رحلت کے بعد [illegible] نے پنجاب کا رُخ کیا اور امرتسر پہنچ کر علم دین کی تکمیل میں مصروف ہوگئے مولنا بہاؤ الحق قاسمی کا بیان ہے کہ ۱۹۱۲ء میں ہم دونوں اکٹھے صرف و نحو کی کتابیں پڑھتے تھے امرتسر میں آپ نے مولانا نور احمد صاحب سے قرآن کی تفسیر پڑھی مولانا

غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی سے فقہ اور مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اور اسی دوران یہیں ایک چھوٹی سی مسجد میں امام ہو گئے۔ شروع شروع میں رسومات کے خلاف وعظ دیا کرتے رہے۔

سیاسی زندگی کا آغاز

رولٹ ایکٹ، جلیانوالہ باغ کے خونی واقعہ اور پہلی جنگ عظیم کے بعد بلادِ اسلامیہ کے حالات نے آپ کی حسّاس طبیعت پر گہرا اثر ڈالا انگریزوں کے خلاف شدید انتقامی جذبات بھڑک اٹھے اور آپ ایک مذہبی واعظ سے سیاسی مقرر بن گئے مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا داؤد غزنوی مرحوم کی ترغیب پر تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی یہ گویا آپ کی سیاسی زندگی کا سرآغاز تھا دیکھتے دیکھتے تمام ملک میں آپ کی شہرت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں یہ بات متفق علیہ ہو گئی کہ اردو زبان میں آپ سے بڑا کوئی عوامی خطیب نہیں تھا۔

جیل کی زندگی

شاہ صاحب جب کبھی قید ہوئے عام جماعتی رفقاء سے اگر کبھی علیحدہ رہنا پڑا تو اپنی انجمن خود پیدا کر لی جہاں گئے اپنی باغ و بہار طبیعت ساتھ لے گئے۔ سر سکندر مرحوم کے عہدِ وزارت میں راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل کا انگریز سپرنٹنڈنٹ کرنل ہاورڈ آپ کا گرویدہ تھا اُسے معلوم تھا کہ شاہ صاحب انگریزوں کے کٹر دشمن ہیں لیکن وہ آپ کی شخصیت سے متاثر ہی نہیں مرعوب تھا۔ اس نے آپ کو بیڈمنٹن کھیلنے پر آمادہ کیا۔ شاہ جی جب تک راولپنڈی جیل میں رہے وہ ہر شام آپ سے بیڈمنٹن کھیلا کرتا کچھ عرصہ پہلے اس نے "ہندوستان کی یادیں" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے بعض مطالعات و تجربات کا ذکر کیا ہے شاہ جی کے متعلق لکھا ہے۔ جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا اُن میں عطاء اللہ شاہ بخاری نام کا ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دل فریب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا چہرہ مُہرہ چرچ کے اُن مقدس راہبوں کی مانند تھا جن کی تصویریں یسوع مسیح سے مشابہ ہوں گی یا پھر اُن مستشرقین کی طرح جنہیں یورپ میں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ہم انہیں عرب کے بڑے بڑے قاموسیوں سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں۔ لیکن ان کے صحیح شناسا ہمارے ہاں کتنے ہیں۔ میں اسے اپنا دوست بنانا چاہتا تھا لیکن ہمارے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ ہماری مختلف زبانیں تھیں میں تو اس کی زبان کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا تھا۔ لیکن وہ انگریزی سے قطعًا ناواقف تھا اس کا بڑا سبب غالبًا یہ تھا کہ وہ ۱۸۵۷ء کے اس اینٹی برٹش ذہن کی باقیات میں سے تھا جنہیں ہمارے پیشروؤں نے علماء کو پھانسی دے کر پیدا کیا تھا۔

اخلاق وعادات

شاہ صاحب عالی ظرف، شگفتہ مزاج اور وسیع القلب انسان تھے ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ گھر آئے۔ دوست و دشمن سے یکساں سلوک فرماتے جو ایک بار ملتا فریفتہ ہو جاتا اور محبت و الفت کا سرمایہ لے کر اٹھتا تھا آپ کی محفل میں جب شعر و ادب اور ظرافت کے پھول بکھرتے تو ساری مجلس کشت زعفران بن جاتی جب کسی کو اداس اور غمگین دیکھتے تو کہتے میاں کیوں خواہ مخواہ اپنی زندگی کو روگ لگا رہے ہو جو خوشی سے گذارو گے وہی زندگی ہوگی۔ پھر شاد عظیم آبادی یہ شعر پڑھتے:

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

مذہب ومسلک

شاہ جی حنفی المسلک اور دیوبند کے مدرسۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے دیوبند کے نابغۂ عصر مولانا سید انور شاہ کشمیری سے آپ کو بے حد عقیدت تھی۔ مولانا بھی دل وجان سے آپ پر فدا تھے سید انور شاہ ہی نے مئی ۱۹۲۶ء میں انجمن خدام الدین لاہور کے عظیم الشان اجتماع میں آپ کی بطور امیر شریعت بیعت کی اور پانسو دیگر علماء نے بھی [illegible] میں مولانا ظفر علی خاں اور مولانا احمد علی لاہوری مولانا محمد یوسف بنوری جیسے حضرات شامل تھے امیر شریعت کی پہلی بیعت حضرت سید پیر مہر علی شاہ سے تھی۔ پھر انکی وفات کے بعد مولانا عبد القادر رائپوری سے ہوئی اور انہی سے آپ کو اور آپ کے خلف الرشید سید عطاء المنعم صاحب کو اجازت حاصل تھی

لباس و خوراک | شاہ صاحب نے نہایت سادہ لیکن پروقار زندگی بسر کی آپ ہمیشہ سادہ لباس زیب تن کرتے تھے نمود و نمائش سے قطعی طور پر نفرت تھی۔

خاکستری رنگ کے کھدر کا کرتہ اور اسی رنگ کے کھدر کی شلوار سر پہ ٹوپی ہاتھ میں ڈنڈا یا کلہاڑی یہ تھا اس شخص کا لباس جس نے اپنے زمانے کے کروڑوں لوگوں کے دلوں پہ حکمرانی کی۔

اوصاف و محاسن | ہندوستان کی تاریخ میں شاہ صاحب جیسے جامع الصفات انسان بہت قلیل تعداد میں پیدا ہوئے قدرت نے اُنہیں دل و دماغ کی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ عالموں میں آپ عالم۔ قاریوں میں قاری۔ ادیبوں میں ادیب شاعروں میں شاعر سیاستدانوں میں سیاست دان تھے۔ خطابت میں آپ یگانۂ روزگار تھے تو حاضر جوابی بذلہ سنجی اور نکتہ آفرینی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ہزاروں خوبیاں ایسی کہ ہر خوبی پہ دم نکلے۔

حق گوئی و بیباکی | حدیث شریف میں آیا ہے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی

شاہ صاحب کی تمام زندگی کلمۂ حق بلند کرتے ہوتے گذری، حق گوئی کی پاداش میں بارہا مصائب و آلام کا نشانہ بننا پڑا لیکن پائے استقلال میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی۔ اور آپ برابر نعرہ حق بلند کرتے رہے۔ گویا

ہزار خوف ہوں، لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

انہی کے لئے کہا گیا تھا۔

ذوق شعر گوئی | شعر و شاعری کا ذوق اپنے نانا مرحوم اور شاد عظیم آبادی کی صحت سے پیدا ہوا تھا۔ حافظ لدھیانوی نے لکھا ہے: شعر فہمی [illegible]

کم ہی دیکھنے میں آیا ہے ساحر لدھیانوی نے قحط بنگال پر ایک نظم لکھی تھی اس میں ایک بند کا دوسرا شعر نہیں ہو رہا تھا ۔ شاہ جی نے نظم پڑھی ۔ تعریف کی اور ساحر سے کہا

اس کا صلہ چند آنسو ہیں یہ لو اور یہ دوسرا شعر تمہاری نذر ہے
ساحر کا شعر ہے ۔

ملیں اسی لئے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دختران وطن تار تار کو ترسیں ،

شاہ جی نے ایزاد کیا ۔

چمن کو اس لئے مالی نے خون سے سینچا تھا ۔
کہ اس کی اپنی نگاہیں ، بہار کو ترسیں

سکونت شاہ جی تقسیم ہند سے قبل امرتسر میں قیام پذیر تھے آپ کی ملکیت دو سکونتی مکان تھے ایک میں خود رہتے تھے ۔ دوسرا کرایہ پر اٹھایا ہوا تھا ۔ تقسیم ملک کے بعد ترک وطن کر کے آپ پہلے خانگڑھ میں اپنے مرید اور شاگرد رشید جناب نواب زادہ نصر اللہ خاں کے یہاں قیام فرمایا پھر ملتان میں کوٹلہ تغلق شاہ میں کرایہ کے مکان میں مستقل سکونت اختیار فرمائی شاہ صاحب اسقدر غیرت مند انسان تھے کہ امرتسر کی متروکہ جائیداد کا پاکستان میں کبھی معاوضہ طلب نہیں فرمایا ۔

اولاد شاہ صاحب نے چار لڑکے اور ایک صاحبزادی اپنی یادگار چھوڑے آپ کے فرزند اکبر سید حافظ قاری مولوی ابوذر ابو معاویہ بخاری ہیں جو شاہ جی کی شبیہ ہیں ۔ شکل وصورت میں بہت بڑے عالم بہترین خطیب اچھے تاریخ دان اچھے شاعر بھی اور ادیب بھی ۔ دوسرے سید حافظ قاری مولوی عطاء المحسن بخاری ہیں آپ بھی عالم اور اچھے خطیب ہیں تیسرے سید حافظ عطاء المومن چوتھے قاری سید عطاء المہیمن ہیں ۔ جن کو شاہ جی پیار سے پیر جی کہا کرتے تھے ۔

علالت ۱۹۵۳ء میں شاہ جی سکھر جیل میں ایام اسیری کاٹ رہے

تھے - کہ ذیابیطس کا عارضہ آپ کو لاحق ہوگیا - رہا ہوتے تو کچھ عرصہ بعد فالج کا حملہ ہوا - پھر ہر چند اطباء نے ہاتھ پاؤں مارے لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۱۹۶۱ء کے موسم بہار میں بیماری شدت اختیار کر گئی - چنانچہ کافی عرصہ نشتر ہسپتال ملتان اور پھر لاہور میں زیر علاج رہے لیکن پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا -

وفات آخر بروز دوشنبہ ۹ ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ ۲۱ - اگست ۱۹۶۱ء کو چھ بجے شام عصر حاضر کا عدیم المثال خطیب عالم بقا کو سدھارا انا للہ و انا الیہ راجعون ملتان کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ کبھی نہیں اٹھا اور نہ ہی اٹھے گا -

مرقد باغ لانگے خاں کے قریب جلال باقری کے مشہور قبرستان میں سادات بخارا کا یہ فرزند اور موجودہ صدی کا عظیم درویش ابدی نیند سو رہا ہے -

تاریخ وفات احسان دانش مرحوم نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات کہی ہے -

بزم جہاں میں سب ہیں لیکن نہیں بخاری
عالم کو کر گیا ہے اندوہگیں بخاری
پیدا نہ ہو گا کوئی ایسا خطیب دانش
ایوانِ خُلد میں ہے محفل نشیں بخاری
۱۳۸۱ھ

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں ——!

سید سلیمان ندویؒ اور ادارۂ الہلال

بعض ضروری وضاحتیں

مکرم، سلام مسنون

نومبر ۸۵ ۱۹ء کا "حکمت قرآن" نظر سے گزرا۔ اس میں میرا ایک مضمون "حیات سلیمانی کا ایک اہم ورق — سید سلیمان ندوی اور ادارہ الہلال" آپ نے شائع فرمایا ہے۔ اجازت دیں تو بعض اغلاط کی تصحیح کر دوں۔

۱: ایک صاحب رکن الدین سہسرامی کا نام کئی بار آیا ہے ان کا صحیح تخلص "دانا" تھا "رانا" کئی بار چھپا جو صحیح نہیں۔

۲: مسجد کان پور کے انہدام کے موقعہ پر "الہلال" میں سید صاحب کا جو مضمون چھپا اس کا عنوان "مشہد اکبر" تھا نہ کہ "شہید اکبر"۔

۳۔ سید صاحب کا ایک مضمون بعنوان "اصلاح معاشرت اور اسلام" چھپا نہ کہ "اصلاح معاشرہ اور اسلام"۔

۴: یہ مضمون "البلاغ" میں چھپا۔ فہرست میں اس کی دوسری قسط کا حوالہ رہ گیا۔ یہ قسط ۲۵ مارچ ۱۹۱۶ء کو چھپی۔

۵: ایک مضمون "اساطیر الاوّلین" کے حوالے میں شمارۂ "الہلال" کی تاریخ اشاعت ۱۵/ ۱۳ غلط ہے صحیح تاریخ ۱۵/ ۲۲ ہے۔

۶: یہ غلطیاں مضمون کی تحریر یا کتابت کا سہو ہو سکتی ہیں، لیکن ایک غلطی میرے سہو قلم کا نتیجہ ہے۔ اسکی اصلاح ضروری ہے، میں نے لکھا تھا۔

"مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا عبد السلام ندوی، مولانا عبد الباری ندوی اور مولانا عبد الرحمٰن ندوی نگرامی .... سب حضرات علامہ شبلی مرحوم کے چہیتے شاگرد اور مولانا آزاد ... الندوہ کے نائب مدیر تھے، اس زمانے (۶-۱۹۰۵) میں ان حضرات کے

مولانا آزاد سے جو دوستانہ روابط قائم ہوئے وہ زندگی بھر رہے"۔

اس عبارت میں مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی کا نام بے خیالی میں آگیا۔ اس وقت ان کی عمر ۵، ۶ سال سے زائد نہ تھی، ندوۃ العلماء میں ان کا تحصیل علم کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ اور مولانا آزاد سے ان کے روابط کی تاریخ بھی بعد میں شروع ہوتی ہے۔ مولانا آزاد سے انہیں اس وقت قرب حاصل ہوا جب ترک موالات کے زمانے (۱۹۲۰) میں مدرسہ اسلامیہ کلکتہ میں انہیں مدرس مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے مولانا آزاد کے ہفت روزہ "پیام کلکتہ" میں بھی کام کیا، جب مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور مولانا آزاد گرفتار ہوگئے تو "پیام" کے چند پرچے تو انہی نے مرتب کرکے شائع کیے۔ نگرامی مرحوم کا عین جوانی میں جبکہ ان کی عمر صرف ۲۷ برس کی تھی، ۶ مارچ ۱۹۲۶ کو انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال پر سید سلیمان ندوی نے معارف (اعظم گڑھ) میں بڑا ہی دلدوز نثری مرثیہ لکھا، ندوے کے حلقے میں ان کے انتقال سے صف ماتم بچھ گئی تھی وہ ندوہ کے ایک غیر معمولی ذہین سپوت تھے۔

یہ وہی صاحب ہیں جن کی بیوہ سے مولانا عبدالماجد دریاآبادی مرحوم و مغفور نے نکاح شرعی پڑھوا لیا تھا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد اسے بے رحمانہ طلاق دے دی تھی وابستگان ندوہ اس حادثہ فاجعہ پر خاموش رہے۔ حلقہ ہائے نیاز فتح پوری، خواجہ حسن نظامی، ڈاکٹر سید احمد بریلوی خواجہ عزیز حسن بقائی اور دوسرے حضرات نے اس واقعہ کے خلاف آواز اٹھائی لیکن ان کے پاس اس کا علاج نہ تھا۔

۶ : یہ مضمون جواب حکمت قرآن میں چھپا مبری ۱۹۸۳ء کی تحریر ہے ۱۹۸۵ء میں سید سلیمان ندوی پر ایک تالیف (یادگار سلیمان از پروفیسر عبدالقوی دسنوی) سامنے آئی ہے۔ اس میں سید صاحب کے الہلالی مضامین کی جو فہرست مرتب کی گئی ہے، اس میں یہ مضامین بھی شامل ہیں۔

۱۔ الحریت فی الاسلام۔ نظام حکومت اسلامیہ ۲، جولائی تا ۸، اکتوبر ۱۹۱۳ء (چھ اقساط)
۲۔ تاریخ اسلام کا ایک غیر معروف صفحہ، ملک حبش میں اسلامی حکومت ۳ ستمبر تا یکم اکتوبر ۱۹۱۳ (دو اقساط)
۳۔ قصص القرآن، قصص بنی اسرائیل ۲۴ ستمبر تا ۱۹، نومبر ۱۹۱۳ (تین اقساط)

الہلال میں ان مضامین پر صاحب مضمون کا نام درج نہیں۔ ان کی ملکیت سے متعلق فاضل مرتب کے دلائل بھی سامنے نہیں، شاید انہوں نے سید صاحب مرحوم و مغفور کے بیان کو کافی سمجھ لیا ہے۔ بلاشبہ مرتب کو اسکا حق ہے کہ وہ کسی بھی بیان و دعوی کو اس بحث میں حرف آخر سمجھ لے لیکن یہ بیان واختیار حرف آخر نہیں، لیکن اس مسئلے میں بحث کا یہ موقعہ نہیں یہ بحث "سید سلیمان ندوی — تنقید و تبصرہ کی نگاہ میں" کا ایک

(باقی صـ ۴۹ پر)

سیرت وسوانح

قسط ۲

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

نصرت علی اثیر

تعلیم و تدریس

جیسا کہ ابنِ تغری رقمطراز ہیں کہ آپ نے زندگی کا بہت زیادہ حصّہ علم کی تلاش میں سفر کرنے گزارا جس سے آپ کو جملہ علوم جیسے قرآن، حدیث، فقہ، ادب، تاریخ اور تصوف پر خاص دسترس ہوگی۔[۲۱۵] چار ہزار جیّد مشائخ کے علم سے ستوریہ آفتاب علم وعمل اطراف واکناف کے تشنگانِ علم کے لیے مرکز رشد بن گیا۔ آپ کا گھر ہر وقت آنے جانے والوں سے گھرا رہتا مرو کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی یہ عالم ہو گیا تھا کہ جس کسی کو جو کوئی بھی مسئلہ پیش آتا وہ فوراً آپ کے پاس پہنچتا۔ آپ خود فرماتے ہیں:۔

انما اخرجنی من مرو الذی قرأت وتحبه و
استحسنت ماههنا للذی اراک تکرهه لی۔ فکنت بمرو
لایکون امر الا اتونی فیه، ولا مسئلة الا قالوا سلوا
ابن المبارک۔[۲۱۶]

(یعنی فرماتے ہیں کہ میں مرو سے اُس چیز کی وجہ سے نکل آیا جس کو آپ دیکھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور میں وہ کچھ پسند کرتا ہوں جو یہاں ہے اور جسے تُو دیکھتا ہے تو میرے لیے بُرا تصور کرتا ہے۔ میں جب مرو میں ہوتا تھا تو جس کسی کو جو مسئلہ بھی درپیش آتا وہ فوراً کہتے کہ عبداللہ بن المبارک سے جاکر پوچھیں)

---

[۲۱۵] ابن تغری: نجوم الزاہرہ : ۲ : ۱۰۳ مطبوعہ مصر

[۲۱۶] ابن جوزی: صفۃ الصفوہ : ۴ : ۱۰۹ مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۶ھ

مرو میں آپ کا مکان خاصا بڑا تھا۔ اس کا رقبہ قریباً ۵۰ × ۵۰ مربع گز میں تھا۔ علماءٗ زہاد اور عباد کا یہاں ہر روز مجمع لگا رہتا۔ آپ جس وقت بھی باہر نکلتے تو فوراً بھاگ کر لوگ گھیرے میں لے لیتے۔ [۲۱۷] اس مقبولیت اور وجاہت سے آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ علم پرور تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"مجھے معلوم ہے کہ وہ قوم جو علم کی متلاشی ہوتی ہے اس پر اس تگ و دو میں بڑی بڑی مشکلیں اور امتحانی گھڑیاں آتی ہیں لیکن وہ احسان کا دامن نہیں چھوڑتیں اور بلند مقام پر فائز رہتی ہے۔ اگر ان کی مشکل گھڑیوں میں ہم انہیں اکیلے چھوڑ دیں تو ان کا علم ضائع ہوگا۔ اور اس کے برعکس اگر ان کی ضروری تکالیف کی گھڑیوں میں ان کی مدد کرتے رہیں تو اُمتِ محمدیہ کے لیے علم کو ترویج ملے گی اور میرے نزدیک منصبِ نبوت کے بعد سب سے افضل کام یہی ہے کہ علم کو حتی الامکان پھیلایا جائے۔" [۲۱۸]

آپ کی علم دوستی اور علم پروری مسلم ہے۔ خود عالم تھے اور علم کی قدر جانتے تھے جس کی وجہ سے علماء کے بہت بڑے قدر دان تھے۔ علماءِ عصر آپ کی اس علم دوستی کے ساتھ ساتھ آپ کی وسعت علمی کے بھی معترف تھے۔ حسن بن شفیق فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ عشاء کی نماز مل کر پڑھی۔ دروازے سے باہر نکلے تو میں نے ایک حدیث کے بارے استفسار کیا۔ آپ نے اس سوال کے جواب میں خاصی دیر تک جواب دیا یہاں تک کہ صبح کی اذان تک ہم وہیں کھڑے رہے۔" [۲۱۹]

مرو میں لوگوں کا یہ ہجوم آپ کی علمی سرگرمیوں پر بڑا اثر انداز ہو رہا تھا۔ جس سے آپ کو بڑی اُکتاہٹ ہوئی اور اسی اکتاہٹ کے ہاتھوں مجبور ہو کر کوفہ چلے آئے۔ یہاں آکر ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا۔ [۲۲۰] سارا سارا دن اسی میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ

---

۲۱۷ ابن تغری : نجوم الزاہرہ : ۲ : ۱۰۳ مطبوعہ مصر

۲۱۸ کردری : مناقب الامام الاعظم : ۱ : ۱۷۵ ؛ مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۱ھ

۲۱۹ صدیق حسن خان : اتحاف النبلاء : ۲۷۲ : مطبوعہ کانپور لکھنؤ (ہند) ۱۲۸۹ھ

۲۲۰ ابن جوزی : صفۃ الصفوہ : ۴ : ۱۰۹ ؛ مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ

کرتے رہتے۔ صرف نماز کے اوقات میں مسجد جا کر نماز با جماعت ادا کرتے لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ آپ ہزار کوشش کے باوجود تشنگانِ علم کی نظروں کے تعاقب سے بچ نہ سکے۔

وہب بن زمعہ سے فضالۃ النوسی کا ایک قول مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

"کنت اجلس اصحاب الحدیث بالکوفہ وکانوا اذا تشاجروا فی حدیث قالوا مروا بنا الی ھذا الطبیب حتی نسألہ یعنون عبد اللہ بن المبارک" [۲۳۱]

"میں کوفہ کے اندر اصحابِ حدیث کی مجالس میں بیٹھا کرتا تھا اور وہ جب کبھی کسی حدیث کے اندر باہم اختلاف کا شکار ہو جاتے تو کہتے چلو ہمارے ساتھ اس طبیب کے پاس جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ان سے آکر پوچھتے۔ (اور طبیب سے مراد عبد اللہ بن المبارک ہوتے تھے۔)"

آپ کا ایک قول محبوب بن موسیٰ الفرا سے منقول ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:۔

من بخل بالعلم ابتلی بلاث اما موت فیذھب علمہ، واما ینسی واما یصحب فیذھب علمہ۔ [۲۳۲]

"جو کوئی علم کے پھیلانے میں بخل سے کام لیتا ہے اسے تین طرح کے مرحلوں میں سے کسی ایک میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یا اسے موت آجاتی ہے اور اس کا علم ختم ہو جاتا ہے یا اسے بھول جاتا ہے اور یا اپنے ساتھ رکھتا ہے اور دوسروں تک نہیں پہنچنے دیتا تو تب بھی وہ علم ختم ہو جاتا ہے۔"

آپ نہایت جامع اور مستند قسم کا درس دیتے تھے۔ زبان نہایت فصیح تھی۔ حروف کو اس طرح بولتے کہ دوبارہ ان کو بولنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ نعیم بن حماد فرماتے ہیں:

ما رایت ابن المبارک یقول حدثنا لانہ یری اخبرنا اوسع وکان لایرو علی احد حرفا اذا قرأ [۲۳۳]

---

[۲۳۱] بغدادی: تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۵۶ مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ

[۲۳۲] ابو نعیم: حلیۃ الاولیاء: ۸: ۱۶۵ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ

[۲۳۳] ذہبی: تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۵۲

یعنی میں نے حضرت عبداللہ بن المبارک کو کبھی "حدثنا" کہتے نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ آپ "اخبرنا" کے لفظ کو معانی میں وسیع سمجھتے تھے اور آپ کسی پر پڑھنے کے بعد الفاظ دہراتے نہیں تھے۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ ہم نے کوئی عراقی آپ سے فصیح تر نہیں دیکھا۔[۲۲۴]

آپ ادب کو تحصیل علم کے لیے بہت ضروری سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے تیس سال ادب اور بیس سال علم سیکھا[۲۲۵]۔ اسی طرح ولید بن علیہ آپ کا قول نقل کرتے ہیں، کہ ہم نے ادب سیکھا ہے اس لیے ہمارے پاس بھی مؤدب ہی آئیں۔[۲۲۶]

آپ اہل بدعت کو بہت برا خیال کرتے تھے۔ اسماعیل طوسی آپ کا قول روایت کرتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مساکین کی مجالس میں بیٹھا کریں اور اہل بدعت کی مجالس سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔[۲۲۷]

اسی طرح ایک اور روایت کو عبد بن عمر سرخسی روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حارث نے کہا کہ میں نے صاحب بدعت کے ساتھ ایک دفعہ کھانا کھایا ہے۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن مبارک تک پہنچ گئی تو آپ فرمانے لگے کہ میں تجھ سے تیس دن تک کلام نہیں کروں گا۔[۲۲۸]

آپ علماء کے وقار کے تحفظ کو بہت ضروری قرار دیتے تھے۔ اگر کوئی کسی عالم کی بے قدری کر دیتا تو سخت ناراض ہو جاتے۔ حبان بن موسیٰ سے روایت ہے کہ آپ لوگوں کو حدیث پڑھا رہے تھے تو آپ نے "حدثنی النعمان" کہا تو بعض نے استفسار کیا کہ آپ کی مراد کس سے ہے۔ تو آپ نے فرمایا میری مراد علم مغز امام ابوحنیفہ سے ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے حدیث کے لکھنے سے اعراض کیا تو حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ تم لوگ کس درجہ کے بے ادب، مقام شیوخ سے جاہل اور علم کی معرفت میں گھٹیا

---

۲۲۴ فقیر محمد جہلمی : حدائق الحنفیہ ؛ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (ہند) ۱۳۲۴ھ

۲۲۵ ابن الجزری : طبقات القراء : ۱ : ۴۴۶ مطبوعہ مصر ۱۹۳۳ء

۲۲۶ ابونعیم : حلیۃ الاولیاء : ۸ : ۱۶۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۴ھ

۲۲۷ " " : ۸ : ۱۶۸

۲۲۸ " " : ۸ : ۱۶۸

ہو۔ اس قسم کا فرد آپ کی تقلید کرنے کا اہل نہیں۔ آپ ایک پرہیزگار امام، بہترین اور متقی عالم اور فقیہ تھے۔ آپ نے علم کو اس طرح کھول کے رکھ دیا جس طرح کوئی دوسرا اپنی بصیرت، فہم اور فطانت سے نہ کھول سکا۔ بے شک جو کوئی اس کے اختیار کردہ راستے سے ہٹ کر علم کے حصول کی کوشش کرے گا، وہ گمراہ ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد قسم اٹھا کر کہا کہ ایک ماہ تک انہیں حدیث کا درس نہیں دیں گے۔ [١٢٩]

آپ نے حدیث کی کتابت کو فروغ دیا۔ ایک دفعہ جب آپ مرو میں لوگوں کے گھر حدیث کا درس دے رہے تھے اور لوگ لکھ رہے تھے حضرت ابو اسامہ کو لکھتا ہوا نہ دیکھ کر کہا اے ابو عبدالرحمن! ہمارے اصول کے مطابق طریقہ اختیار نہیں کیا اور ہم نے دیکھے شیوخ کو بھی نہیں کرتے دیکھا جس حدیث کو لکھا نہ جائے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ بیس دن تک آپ حدیث لکھتے رہے ... گزرے تو کچھ دنوں بعد جب وہ دیکھا ہوئے اور وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک اسی طرح محفل درس لگائے بیٹھے حدیثیں لکھوا رہے ہیں۔ حضرت ابو اسامہ کو دیکھ کر آپ نے پوچھا کہ کیا ہوا تو جواب دیا کہ اے ابو اسامہ! حدیث کی لذت رکھنے نہیں دیتی۔ [١٣٠]

آپ کو حدیث کی کتابوں پر بڑا بھروسہ تھا۔ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے تھے کہ جو حدیث آپ کے علم میں نہیں وہ ہمارے علم میں بھی یقیناً نہیں ہے۔ [١٣١] اسی طرح یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ جو مسئلہ مجھے حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتابوں سے نہ ملتا تو میں اس کے بارے میں مایوس ہو جاتا۔ [١٣٢]

آپ حدیث کا درس کتاب سے دیا کرتے تھے۔ [١٣٣] آپ نے قریباً بیس ہزار کتب سے درس دیا۔ [١٣٤] علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے کہ علم دو آدمیوں پر ختم ہو جاتا ہے ایک حضرت عبداللہ بن مبارک اور ان کے بعد دوسرے حضرت یحییٰ بن معین پر۔ [١٣٥] اسی طرح عمران بن

---

١٢٩ کردری : مناقب الامام : ١ : ٣٠ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ١٣٢١ھ

١٣٠ ابونعیم : حلیۃ الاولیاء : ٨ : ١٦٥ مطبوعہ مصر

١٣١ کردری : مناقب الامام الاعظم : ١ : ١٦٢ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ١٣٢١ھ

١٣٢ بغدادی : تاریخ بغداد : ١٠ : ١٥٦ مطبوعہ مصر ١٣٤٩ھ

١٣٣ عبدالحی لکھنوی : فوائد البہیہ : ١٠٣ مطبوعہ مصر ١٣٢٤ھ

١٣٤ بغدادی : تاریخ بغداد : ١٠ : ١٦٤ مطبوعہ مصر ١٣٤٩ھ

موسیٰ طرسوسی فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت سفیان ثوری کے پاس آیا اور کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے پوچھا کہ تُو کہاں سے آیا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ اہلِ مشرق سے آیا ہوں۔ آپ نے پھر پوچھا تو کیا اہلِ مشرق میں سب سے بڑھ کر عالم سے نہیں ملے۔ آدمی نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک صرف مشرق کے ہی نہیں بلکہ اہلِ مغرب کے بھی عالم ہیں۔ غرض اس طرح کے کئی واقعات ہیں جن میں آپ کی علمی وسعت اور عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ [۲۳۶]

آپ کا قول ہے کہ علم کے لیے سب سے پہلے نیت، ہو پھر اس کا فہم و ادراک پھر اس پر عمل، اس کے بعد اس کا حفظ اور پھر اس کی نشر و اشاعت۔ [۲۳۷] آپ کی زندگی اس قول کی عملی تصویر تھی۔ اور اسی کا درس دیتے تھے۔ آپ اہلِ دل زاہد اور عابد تھے۔ خوف آخرت کا بڑا غلبہ تھا۔ اس لیے آپ جب کتاب الزہد والرقائق کا درس دیتے تو دھاڑیں مار مار کر یوں روتے جیسے کسی گائے کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ اس حالت میں پھر کسی کی جرأت نہ پڑتی کہ کسی قسم کا کوئی استفسار کر سکے۔ [۲۳۸]

آپ کو جملہ علوم پر اچھا خاصا ملکہ حاصل تھا۔ عباس بن مصعب فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کی شخصیت، حدیث، فقہ، عربی ادب، تاریخ، شجاعت، سخاوت، تجارت اور افتراق میں ارتباط پیدا کرنے کی صلاحیتوں کی جامع تھی۔ [۲۳۹] مرو سے آپ جب چلے گئے تو عمار بن حسن نے شعر کی زبان میں حسرت کے ساتھ یوں خراجِ تحسین پیش کیا۔

اذا سار عبد الله من مرو — فقد سار منها نورها وجمالها
اذا ذكر الاحبار من كل بلدة — فهم انجم فيها وانت هلالها [۲۴۰]

یعنی جب حضرت عبداللہ بن مبارک مرو سے چلے تو مرو کا سارے کا سارا حسن و جمال بھی رخصت ہو گیا۔ ہر علاقے کے علماء اور فضلاء کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کہا جائے تو وہ سب تارے تھے جن میں آپ چاند کی مانند تھے۔

۲۳۶ھ ابن جوزی، صفۃ الصفوہ : ۴ : ۱۱۳ مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۵۶ھ
۲۳۷ھ ابن فرحون المدنی : دیباج المذہب : ۱۳۱ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ
۲۳۸ھ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۲۵۴
۲۳۹ھ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۵ : ۳۸۵ مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۶ھ
۲۴۰ھ نووی : تہذیب الاسماء واللغات : ۱ : ۲۸۵ مطبوعہ دمشق

آپ سے ایک کثیر تعداد نے حدیث، قرآن، فقہ، تاریخ، ادب اور زہد کے ابواب میں علم حاصل کیا۔ آپ کے کئی ایک شیوخ نے بھی آپ سے روایت کی جس سے آپ کی عظمت اور صداقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ سے فیوض و برکات حاصل کرنے والوں کی تعداد ان گنت ہے لیکن ہم صرف چند کا تذکرہ کر رہے تاکہ اندازہ ہو کہ آپ سے کس پایہ کے علماء و فضلاً نے استفادہ کیا۔

(۱) خراسان سے تلامذہ :-

(ا) مروزی (مرو کے علاقہ سے) :

۱- علی بن اسحاق السلمی : بنو سلمہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابوالحسن کنیت تھی۔ اصلی شہر ترمذ تھا۔ آپ حضرت عبداللہ بن مبارک کے ایک مشہور و معروف شاگرد تھے

۲- معاذ بن خالد بن شقیق العبدی : ابوبکر کنیت تھی۔ دادا آزاد کردہ غلام تھے

۳- احمد بن محمد بن ثابت الخزاعی :

۴- ہارون بن معروف المروزی : ابوعلی کنیت تھی اور بغداد جانے والوں میں سے تھے۔

۵- یحییٰ بن اکثم بن محمد بن قطن تمیمی : ابومحمد کنیت تھی۔ قاضی رہے اور جید فقیہہ تھے۔

۶- حسین بن حسن بن حرب السلمی : آپ کتاب الزہد والرقائق کے راوی ہیں۔

۷- معاذ بن اسد بن ابی الغنوی : ـــــ آپ حضرت عبداللہ بن مبارک کے کاتب تھے۔

۸- محمد بن اعین : ابوالوزیر کنیت تھی اور حضرت عبداللہ بن مبارک کے خادم تھے

۹- محمد بن مقاتل المروزی : ابوالحسن الکسائی کی کنیت سے معروف تھے۔ پہلے بغداد رہے اور پھر مکہ کے پڑوس میں رہنے لگے اور یہیں وفات پائی۔

۱۰- عتاب بن زیاد الخراسانی : ابوعمرو کنیت تھی۔ مرو کی وجہ سے مروزی بولے جاتے تھے۔

۱۱- عتبہ بن عبداللہ بن عبداللہ الیحمدی الازدی : آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

۱۲- عثمان بن جبلہ بن ابی رواد العتکی :

۱۳- عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی داؤد : (آپ کا نام میمون تھا۔ ابن العتکی بولے جاتے تھے) ابوعبدالرحمٰن کنیت تھی۔ عبدان لقب تھا۔ آپ نے بیک قلم حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتابیں لکھیں۔

۱۴- سوید ابنِ نصر بن سوید المروزی : ابوالفضل الطوسانی کنیت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کرتے تھے۔

۱۵- علی بن حجر بن ایاس السعدی : آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔

۱۶- علی بن حسن بن شقیق بن دینار : ابوعبدالرحمٰن کنیت تھی۔ آپنے کتاب سے حضرت عبداللہ بن مبارک کو چودہ مرتبہ سُنا اور آپ حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتابوں کے بہت بڑے حافظ تھے۔ دوسرے راویوں میں سے ممتاز تھے۔

۱۷- عبدالعزیز بن ابی رزمہ : ابومحمد کنیت تھی۔ مرو کے بڑے اور اجلِ شیوخ میں سے ایک تھے جو حضرت عبداللہ بن مبارک کے ساتھ خاص ہو چکے تھے۔

۱۸- عبدہ بن سلیمان المروزی : ابومحمد کنیت تھی۔ ابوعمرو بھی بولتے تھے۔ مصیصہ آئے اور حضرت عبداللہ بن مبارک اور اسحاق الفزاری دونوں سے روایت کی۔

۱۹- سلیمان بن صالح اللیثی : آپ سلمویہ سے زیادہ مشہور تھے۔ آپ کو حضرت عبداللہ بن مبارک نے حدیث کے ساتھ خاص کر دیا۔ آپ سے سلیمان نے آٹھ سو احادیث سُنی جو ان کی کتابوں میں نہیں تھی۔

۲۰- سلمہ بن سلیمان المروزی : ابوسلیمان کنیت تھی۔ ابوایوب المؤدب سے بھی بولے جاتے تھے۔ آپ بڑے بڑے شاگردوں میں سے ایک تھے۔ تذکروں میں یہ بھی ملتا ہے کہ آپ حضرت عبداللہ بن مبارک کے روپے پیسے کا حساب رکھتے تھے۔ آپ نہایت ثقہ تھے۔

۲۱- حاتم بن یوسف بن خالد : ابوروح کنیت تھی۔ بڑے شاگردوں میں سے ایک تھے۔

۲۲- حبان بن موسیٰ بن سوار السلمی : آپ ابومحمد کی کنیت سے مشہور تھے اور نہایت ثقہ تھے۔

۲۳- اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابو یعقوب الحنظلی : ابنِ راہویہ کی کنیت سے مشہور تھے

۲۴- بشر بن محمد السختیانی : ابو محمد کنیت تھی اور مروزی مشہور تھے۔
۲۵- بور بن اصرم ابو بکر المروزی : آپ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔
۲۶- ابراہیم بن عبداللہ بن احمد المروزی : ابو اسحاق خلال کنیت تھی۔
۲۷- حسین بن حریث : ابو عمار کنیت تھی۔
۲۸- یحیٰی بن عبداللہ بن زیاد بن شداد السلمی : ابو سہل کنیت تھی اور ابو تلیث مروزی بھی مشہور تھے۔ آپ بلخی تھے اور بعد میں مرو سکونت پذیر ہو گئے۔
۲۹- وہب بن زمعہ تیمی : جن کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور مروزی کہلاتے تھے۔

بخاری (بخارا کے علاقہ سے)

۳۰- محمد بن سلام بن فرج السلمی : ابو عبداللہ کنیت تھی اور ماوراء النہر کے محدث تھے
۳۱- اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ : آپ امام بخاری کے والد تھے۔

نیساپوری (نیساپور کے علاقہ سے)

۳۲- حسن بن عیسیٰ بن ماسرجس : ابو علی کنیت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ پہلے نصرانی تھے۔ اور بعد میں آپ ہی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔
۳۳- عبداللہ بن مطیع بن راشد البکری : ابو محمد کنیت تھی اور بغداد جانے والوں میں سے تھے۔

ہروی (ہراۃ کے علاقہ سے)

۳۴- اسماعیل بن ابراہیم بن معمر بن الحسن الہذلی : ابو معمر کنیت تھی بغداد جانے والوں میں سے تھے۔
۳۵- عبدالسلام بن صالح بن سلیمان : ابو الصلت مروزی کی کنیت سے مشہور تھے

بلخی (بلخ کے علاقہ سے)

۳۶- ابراہیم بن یوسف بن میمون الباہلی : آپ صاحب الرائے تھے۔ الماکیانی کی کنیت سے معروف تھے۔

عراق سے تلامذہ :-

۳۷کوفی :- اسید بن زید بن نجیح الجمال الہاشمی ... آزاد کردہ غلام تھے۔

۳۸- زکریا بن عدی بن زریق ... : ابو یحییٰ کنیت تھی بغداد گئے تھے۔

۳۹- ابراہیم بن یوسف الحضرمی۔

۴۰- عبداللہ بن صالح الازدی : ابو صالح کنیت تھی۔

۴۱- عبدالرحمٰن بن صالح الازدی : ابو محمد کنیت تھی۔ بغداد جانے والوں میں سے تھے۔

۴۲- عبدالحمید بن صالح بن عجلان : ...

۴۳- عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ۔

۴۴- علی بن ہشام بن علی العامری : ... کنیت تھی نیساپور جانے جانے والوں میں سے تھے۔

۴۵- علی بن سعید بن مسروق : ابو الحسن کنیت تھی۔

۴۶- علی بن حکیم بن زبیان الاودی : ابوالحسن کنیت تھی۔

۴۷- محمد بن عبید بن محمد بن واقد المحاربی : ابو جعفر النحاس مشہور تھے۔

۴۸- محمد بن الصلت بن الحجاج الاسدی : ابو جعفر الاصم مشہور تھے۔

۴۹- مسروق بن مرزبان بن مسروق بن معدان الکندی : ابوسعید کنیت تھی۔

۵۰- اسماعیل بن ابان الوراق الازدی : ابو اسحاق کنیت تھی۔ ابو ابراہیم بھی بولے جاتے تھے۔

بصرہ :

۵۱- مسلم بن ابراہیم الازدی : حافظ حدیث تھے اور ابو عمرو کنیت تھی۔

۵۲- عبیداللہ بن تمیلہ بن عجلان الشیبانی : آپ کو تمیمی بھی کہا جاتا ہے۔

۵۳- علی بن نصر بن علی بن صہبان الازدی : آپ کی کنیت ابوالحسن البصری تھی۔

۵۵- عبداللہ بن محمد بن اسماء الضبعی : آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن البصری تھی۔
۵۶- سلیمان بن داؤد العتکی : حافظِ حدیث تھے۔ بغداد بھی آئے اور ابوالربیع زہرانی، بصری کنیت کرتے تھے۔
۵۷- بشر بن السری : ابوعمرو کنیت تھی۔ مکہ میں جاکر ٹھہرے۔
۵۸- بشار بن موسیٰ الشیبانی : آپ کو عجلی بھی کہا جاتا ہے۔ کنیت ابوعثمان تھی اور بغداد بھی گئے تھے۔
۵۹- ابراہیم بن نافع الناجی الجلاب البصری۔

بغداد میں سے تلامذہ :

۶۰- یحییٰ بن ایوب المقابری : آپ نہایت عبادت گزار تھے۔ ابوزکریا آپکی کنیت تھی
۶۱- یحییٰ بن معین بن عوف الغطفانی : آپ جرح و تعدیل کے امام مانے جاتے ہیں ابوزکریا کنیت تھی۔
۶۲- منصور بن ابی مزاحم بشیر الترکی الازدی : ابونصر کنیت تھی۔ ازد کے آزاد کردہ غلام تھے۔
۶۳- محمد بن بکار بن الریان الہاشمی : بنوہاشم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابوعبداللہ کنیت تھی۔ رصافی بھی مشہور رہیں۔
۶۴- محمد بن حسان بن خالد الضبی السمتی : ابوجعفر آپ کی کنیت تھی۔
۶۵- محمد بن الصباح الدولابی : ابوجعفر کنیت تھی۔ کپڑے کے تاجر تھے۔ بنومزینہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ دولابی کی نسبت مرو کی ایک بستی دولاب کی وجہ سے ہے۔ آپ صاحب السنن تھے۔
۶۶- محمد بن عیسیٰ بن نجیح البغدادی : آپ شام کے ساحل کے قریب رہتے تھے اور ثغر میں وفات پائی۔
۶۷- ابوعبید القاسم بن سلام البغدادی : آپ فقیہہ تھے۔ قاضی بھی رہے اور کئی تصانیف کیں۔
۶۸- سعید بن یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی : ابوعثمان آپ کی کنیت تھی۔

۶۹۔ حکم بن موسیٰ بن ابی زہیر شیرزاد البغدادی: ابوصالح قنطری کنیت تھی۔
۷۰۔ حسن بن عرفہ بن یزید العبدی : ابوعلی کنیت تھی۔ المؤدب بھی بولے جاتے تھے۔
۷۱۔ مہدی بن حفص البغدادی : ابواحمد آپ کی کنیت تھی۔

جزری تلامذہ :- (رقہ سے)

۷۲۔ یوسف بن مروان النسائی : ابوالحسن کنیت اور مؤذن مشہور تھے۔ بغداد جانے جانے والوں میں سے ہیں۔
۷۳۔ اسماعیل بن عبداللہ بن خالد بن یزید القرشی : ابوالحسن کنیت تھی۔ قاضی دمشق تھے۔
۷۴۔ (حران) خضر بن محمد بن شجاع الجزری: ابومروان کنیت تھی۔ صرافی بھی کہلاتے تھے۔ اس لیے کہ حران کے تھے۔
۷۵۔ عبداللہ بن محمد بن علی بن نفیل بن زراع بن علی : آپ کے بارے میں ابوعبداللہ بن قیس بن عصم القضاعی بھی مشہور رہے۔ ابوجعفر آپ کی کنیت تھی۔

شام سے تلامذہ :-

۷۶۔ سنید بن داؤد المصیصی : آپ مصیصہ سے تھے۔ ابوعلی المحتسب آپ کی کنیت تھی۔ نام آپ کا حسین اور سنید لقب تھا۔
۷۷۔ عبدالملک بن حبیب المصیصی : ابومروان کنیت تھی اور کپڑے کے تاجر تھے۔
۷۸۔ محمد بن عیینہ الفزاری : ابوعبداللہ کنیت تھی۔
۷۹۔ محمد بن سلیمان بن حبیب بن جبیر الاسدی : کوفی الاصل تھے۔ ثغر سے رابطہ تھا اور مصیصہ میں آپ کا خاصا اثر تھا۔ ابوجعفر کنیت اور العلاف لقب تھا۔
۸۰۔ محمد بن حاتم بن یونس : آپ ایک عبادت گزار محدث تھے۔ ابوجعفر کنیت تھی۔
۸۱۔ محمد بن اسعد التغلبی : کوفی الاصل تھے۔ ابوسعید کنیت تھی۔
۸۲۔ محمد بن آدم بن سلیمان الیمنی : آپ کا شمار ابدال میں ہوتا تھا۔
۸۳۔ سعید بن المغیرہ الصیاد : ابوعثمان آپ کی کنیت تھی۔

الطاکی :

۸۴- موسیٰ بن ایوب بن عیسیٰ النصیبی : ابو عمران آپ کی کنیت تھی۔

۸۵- محبوب بن موسیٰ : ابو صالح آپ کی کنیت تھی۔

۸۶- محمد بن عبدالرحمٰن بن حکیم بن سہم الانطاکی :

۸۷- خالد بن یزید بن ابی الخا دالاموی :

مندرجہ بالا کی علاقائی فہرست کے علاوہ بھی آپ کے وہ شاگرد جو زیادہ مشہور ہیں اور وہ انہی علاقوں سے متعلق ہیں۔ نیچے ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) سفیان بن عیینہ
(۲) معمر بن راشد
(۳) ابو اسحاق الفزاری
(۴) جعفر بن سلیمان الضبعی
(۵) معتمر بن سلیمان
(۶) داؤد بن عبدالرحمٰن العطار
(۷) لقیہ بن الولید
(۸) فضیل بن عیاض
(۹) یحییٰ بن سعید القطان :
(۱۰) ولید بن مسلم
(۱۱) عبدالرحمٰن بن مہدی
(۱۲) ابوبکر بن عیاش
(۱۳) یحییٰ بن آدم
(۱۴) مسلم بن ابراہیم
(۱۵) سفیان ثوری
(۱۶) نعیم ابن حماد
(۱۷) ابراہیم بن اسحاق الطالقانی
(۱۸) احمد بن محمد مردویہ
(۱۹) زکریا بن عدی
(۲۰) سعید بن عمرو الاشعثی
(۲۱) حکم بن موسیٰ
(۲۲) سفیان ابن عبدالملک المروزی
(۲۳) ابوبکر بن ابی شیبہ
(۲۴) عثمان بن ابی شیبہ
(۲۵) علی بن حجر
(۲۶) یحییٰ بن ایوب المقبری
(۲۷) محمد بن مقاتل المروزی
(۲۸) ابوبکر بن اخرم

علوم قرآن اور عبداللہ بن مبارک

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری نازل کردہ کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان

کی رشد و ہدایت پنہاں کر رکھی ہے۔ گویا قرآن مجید تمام دینی و دنیوی علوم کا خزینہ ہے۔ حضرت علی رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں اسے قرآن مجید سے تلاش کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا دور وقتِ نزول کے کسی حد تک قریب تھا۔ اس وقت اس انقلابی کتاب کی حکمتوں اور دانائیوں کا براہِ راست رسولؐ خدا سے راز حاصل کرنے والوں کے کئی شاگرد مختلف علاقوں میں اس کتاب الہدیٰ کی تعلیم پر مامور تھے۔ اس دور میں علم صرف دو ہی تھے۔ ایک قرآن اور دوسرے حدیث — جو اس کی تفسیر تھی۔ باقی تاریخ، تصوف، ادب وغیرہ سب اس کے تشریحی اور جزئیاتی باب سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جوں ہی سنبھلے، دیندار والد نے فوراً قرآن کی تعلیم کا انتظام کیا اور اس طرح عبداللہ بن مبارک قرأتِ قرآن پر بچپن ہی میں کافی استعداد حاصل کر گئے۔ کچھ اور بڑے ہوئے۔ جوانی کا دور آیا اور متمول گھرانے کے اس نازک پھول کو ماحول کے بدقماش لونڈوں نے گھیر لیا۔ جس سے صحبت بگڑ گئی۔ اور اکیس سال تک لہو و لعب کی زندگی میں میں پڑے رہے یہاں تک کہ جب برائی کی آخری حد پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا انتظام کیا اور زندگی بدل گئی۔ یہاں سے پھر آپ کی دوسری زندگی کا آغاز ہو گیا۔ جس میں معرفتِ ربی کا شوق برابر بڑھتا گیا۔ یہ شوق اور لذت پھر آپ کے ساتھ آخری دم تک رہی۔ ذیل میں ہم قرآنی علوم کے مختلف پہلوؤں اور حضرت عبداللہ بن مبارک کے ان سے تعلق کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرأتِ قرآن

قرآن مجید کے الفاظ کو صحیح طور سے ادا کرنا۔ ایک اچھے خاصے علم اور عمل کا متقاضی ہے۔ اس کے لیے اس دور میں کئی جید اور فصیح اللسان قاری موجود تھے جو صحابہ کرام کے طریق قرأت کے وارث تھے۔ چنانچہ آپ کی خوش قسمتی کہ آپ کو صحابہ کرام کے تربیت یافتہ قاری مل گئے اور آپ نے ان سے قرأت سیکھی۔ آپ کے قرأت کے اساتذہ میں عیسیٰ بن عمر الاسدی[۱۴۲] — زبان بن العلا بن عمار ابو عمرو التیمی اور حمزہ بن حبیب الزیات بہت

---

[۱۴۲] عبدالمجید المحتسب : عبداللہ بن مبارک : ۳۰ : ۲۷ : ۳۱ مطبوعہ عدن ۱۳۹۲ھ

مشہور ہیں آپ نے ابو عمر ابن العلا سے حروف قرآن کی روایت کی۔ [۲۴۲]
آپ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ اور قرآن مجید سے از حد عقیدت تھی۔ ابو نعیم اصبہانی آپ کو "الیف القرآن" لکھتے ہیں [۲۴۳]۔

فضل بن دکین فرماتے ہیں:

قال "ما رایت قط احسن قرأۃ منہ" [۲۴۴]

آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ سے زیادہ خوب صورت قرأت کرتے ہوئے کسی کو بالکل نہیں دیکھا۔

آپ جب کبھی کتب عربی کی قرأت کرتے تو آپ کی حسنِ قرأت سے ہر ایک محظوظ ہوتا اور تعریف کی جاتی ہے۔ ابو مطیع روایت کرتے ہیں۔ [۲۴۵]

"قال رایتہ یقرا کتاب الرای علی الامام فما رایت احسن قراۃ منہ وکان یعرفنا"

"فرماتے ہیں کہ میں نے آپ (حضرت عبد اللہ بن مبارک) کو امام اعظم کے ہاں کتاب الرای کی قرأت کرتے دیکھا جس سے نسبتاً میں نے کوئی اچھی قرأت نہیں دیکھی۔ آپ قرأت کے تقاضوں سے واقف تھے۔"

حضرت عبد اللہ بن مبارک رح قرأت معاوضہ پر کرنے اور گویوں کی طرح سُریں لگا کر پڑھنے کو بہت معیوب سمجھتے تھے۔

ابو داؤد طرسوسی فرماتے ہیں: [۲۴۶]

"قلت لعبد اللہ بن المبارک: انا نقرأ بھذہ الالحان فقال عبد اللہ بن مبارک انما کرہ لکم منہا انا ادرکنا القرا وھم یؤتون تسمع قرأتہم

---

[۲۴۲] ابن الجزری: طبقات القرا : ۱ : ۴۴۶ : مطبوعہ مصر ۱۹۳۳ء

[۲۴۳] ابو نعیم اصبہانی: حلیۃ الاولیاء ۸ : ۱۶۲ مطبوعہ مصر ۱۳۴۴ھ

[۲۴۴] کردری: مناقب امام اعظم : ۱ : ۱۷۹ مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ھ

[۲۴۵] کردری: مناقب امام اعظم : ۱ : ۱۷۹ مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ھ

[۲۴۶] ابو نعیم اصبہانی: حلیۃ الاولیاء: ۸ : ۱۶۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۴ھ

و انتم ستدعون الیوم کمایدعی المغنون۔

"میں نے حضرت عبداللہ بن المبارک رح سے (رائے طلب کرتے ہوئے) کہا کہ ہم تو (قرآن کو) اس لَے اور سُر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آپ کے لیے مکروہ ہے۔ (آپ نے مزید فرمایا) کہ ہم اس دور میں ایسے قاری دیکھ رہے ہیں کہ انہیں کچھ نہ کچھ دیا جاتا ہے تو تب آپ انہیں قرأت کرتے سُنتے ہیں اور آج کل آپ قرأ کو ایسے ہی بلایا جاتا ہے جس طرح گانے والے گویّوں کو دعوت دی جاتی ہے۔"

غرض حضرت عبداللہ بن المبارک قرآن مجید کو اچھی قرأت کے ساتھ پڑھنے کو ضروری جانتے تھے۔ لیکن انہیں یہ پسند نہ تھا کہ یہ کلام مقدس بھی نمائشی اور ظاہری تعیشات کا سامان نہ بن کر رہ جائے۔ آپ کو قرآن مجید کے تقدس اور اس کے قرأ کا وقار بہت عزیز تھا۔ آپ خود بھی قاری تھے اچھی قرأت کرتے لیکن نمائشی اور معاشی مفادات کے لالچ میں آکر کبھی قرأت نہیں کی۔

(جاری ہے)

بقیہ: تبصرۂ کُتب

کے حق میں نازل ہوئیں، پھر ان کی شان میں وارد احادیث نبوی آثار صحابہ نقل کیے گئے ہیں اور آخر میں حافظ ابن عبدالبر، ابن اثیر اور ابوالنعیم اصفہانی نے ان کا جو تذکرہ کیا، اس کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ان کی اسلامی خدمات اور شخصی کمالات کا تذکرہ۔ تیسرا اور چوتھا باب ان کی سیرت و کردار اور ان کے اقوال و آثار پر مشتمل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ دو باب بڑے اہم ہیں — ہماری نوجوان نسل کو یہ کتاب بطور خاص پڑھنی چاہیئے تاکہ انہیں اندازہ ہو سکے کہ ہمارے اسلاف کیسے لوگ تھے؟ کتاب کی کتابت طباعت، کاغذ اور جلد سب معیاری ہیں قیمت واجبی۔

بقیہ: بعض ضروری وضاحتیں

مستقل باب ہے اسے وہیں دیکھنا چاہیئے۔

۸۔ مولانا عبدالسلام ندوی کا اپنا بیان ہے کہ وہ الہلال میں چار پانچ مہینے رہے تھے یہ زمانہ نومبر ۱۹۱۴ء میں الہلال بند ہونے سے قبل مسلسل ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

خاکسار ابوسلیمان شاہ جہانپوری

۱۹-۱۱-۱۹۸۵

تبصرۂ کُتب

نام کتاب : نُورستان (قرآن حکیم اور ہماری زندگی)
تالیف : حکیم محمد سعید قیمت اعلیٰ ایڈیشن -/۱۵۰ روپے
عام ایڈیشن -/۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : ہمدرد فاؤنڈیشن ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

حکیم محمد سعید صاحب کے نام سے کون واقف نہیں، انہوں نے بھرپور زندگی گذاری اور اب بھی ان کے جذبات توانا اور جوان ہیں ۔خوبی یہ ہے کہ ان کی مصروفیات متنوع قسم کی ہیں اور ہر کام کو طے شدہ پروگرام کے مطابق سنبھالتے اور پورا کرتے ہیں ۔ عظیم الشان دواخانہ، ملک کے چند بڑوں شہروں میں ماہانہ مطب، ہمدرد شاہیں، لائبریری، تصنیف و تالیف، مجلس ہائے مذاکرہ، سیمینار، بیرونی دورے، سبھی کام وہ کرتے ہیں اور اب ایک عظیم الشان شہر حکمت، بسانے کی فکر میں ہیں جسکی بنیاد رکھی جا چکی ہے ۔ایک آدمی اگر نظم و ضبط کا پابند ہو اور زندگی طے شدہ مقاصد کیلئے وقف کر دے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً آسانیاں اور سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ان کی مصروفیات کا ایک حصہ ان کی وہ تقاریر ہیں جو وہ ریڈیو پاکستان کے معروف پروگرام 'قرآن حکیم اور ہمارے زندگی' میں کرتے ہیں ۔ یہ پروگرام ریڈیو پاکستان کے چند اچھے پروگراموں میں سے ایک ہے جس کے ذریعہ عام لوگوں کی تعلیم و تربیت کا مقصد پورا ہوتا ہے اور لوگ دین و اسلام سے آگاہی حاصل کرتے ہیں (گو کہ اب کچھ عرصہ سے بعض نہایت سطحی قسم کے مقرر اس شعبہ میں آنے لگے ہیں جو غالباً تلخ ثمرہ ہے سرکاری طور پر ہر دائرہ میں، فرقہ واریت کی لعنت کی حوصلہ افزائی کا) حکیم صاحب اس پروگرام میں شریک ہوتے ہیں اور "نورستان"، ان کی انہی قابل قدر تقاریر کا مجموعہ ہے جو آپ مختلف اوقات میں ریڈیو سے کرتے رہے ان تقاریر کی تعداد ۱۴۲ ہے جو ایمانیات، قرآن کی روشنی، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عبد اور معبود،

برکات رمضان، علم وحکمت، تزکیہ نفس اور عمل، تہذیبی اقدار اور تقاضے۔ انسان اور معاشرہ، آدابِ اخلاق، سماجی برائیاں، صاحب ایمان کا کردار، صحت و زندگی کے عنوانات کے تحت تقسیم کی گئی ہیں، ہلکا، پھلکا انداز، شستہ زبان، ٹھوس اور مضبوط باتیں، الغرض ایک سرمایہ ہے جسے ۴۴۵ بڑے سائز کے صفحات میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اکٹھا کیا گیا ہے، کتابت، طباعت، کاغذ اور ظاہری گٹ اپ میں حکیم صاحب کی دلی خوش ذوقی جھلکتی ہے۔ قیمت مناسب ہے اس کا مطالعہ ہر عام و خاص کو کرنا چاہیئے۔

(۲)

سیرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ **تالیف:** علامہ فضل احمد عارف

قیمت: ۳۶/- روپے **ملنے کا پتہ:** سنی پبلیکیشنز الوہاب مارکیٹ اردو بازار لاہور۔

حضور نبی مکرم علیہ السلام کے صحابہ کی جماعت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے آپ نے "سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ" کہہ کر انہیں منتخب روزگار گھرانے کا فرد قرار دیا اور جنگ خندق کے موقعہ پر انہی کے مشورہ سے خندق کھود کر مدینہ منورہ کی حفاظت کا سامان کیا۔ اور بھی ان کی خصوصیات ہیں، جن کے سبب ان کو بے حد قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا آپ مجوسی سوسائٹی کے ایک سردار کے بیٹے اور آتش پرست تھے۔ ایران کے غلیظ ماحول میں ان کی پرورش ہوئی لیکن ان کا چراغ فطرت سلامت رہا اور اس کے سبب یہ تلاشِ حق میں مدتوں سرگرداں رہے تاآں کہ ایک لمبا عرصہ کی صعوبتیں برداشت کر کے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔

اس مرحلہ پر وہ ایک یہودی کے زیر بار تھے لیکن حضور علیہ السلام نے اپنے رفقاء سمیت ہاتھ بٹا کر ان کا بوجھ دور کیا۔ اور اس طرح یہ مسلم سوسائٹی میں شامل ہو کر اصحاب صفہ کی جماعت کا حصہ بن گئے۔

محترم فضل احمد عارف کو تاریخ کے موضوع سے خاص دلچسپی ہے لیکن اس طرح نہیں کہ پھٹک دیا بس روایات سے کسی کتاب کا پیٹ بھر دیں بلکہ وہ پوری چھان پھٹک سے ہر بات نقل کرتے ہیں ۲۵۲ صفحات کی یہ کتاب عربی۔ فارسی، اردو اور انگریزی کی ۹۰ کتابوں سے انہوں نے مرتب کی اور اس طرح کہ اس کی ایک ایک سطر تحقیق کا نچوڑ معلوم ہوتی ہے۔ پہلے باب حضرت سلمان کے حالاتِ زندگی تلاش حق کی سرگزشت، آزادی، عہد رسالت۔ عہد صدیقی، فاروقی اور عثمانی میں ان کی قابل قدر ملی خدمات کا احاطہ کرتا ہے اس طرح کہ ایک ایک جزئی کو شامل کر لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں قرآن کی ان آیات کا ذکر ہے جو حضرت سلمانؓ

(باقی صـ۷۹ پر)

نبی اکرم کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ:
کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں ؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے

اِس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلّق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجیے

هدیہ فی نسخہ: تین روپے۔ تبلیغی مقصد کے لیے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا:

سیرتِ نبوی ؐ کے ضمن میں ۲ دو عظیم تحفے

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیمِ اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے اعلیٰ دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ!

رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ، اور

فرائضِ دینی اور اسوۂ رسول ؐ

سورۂ احزاب کے رکوع ۲، ۳ کی روشنی میں

تبلیغی مقاصد کے پیشِ نظر ۞ ہدیہ صرف چھ روپے فی کتاب ۞ محصول ڈاک علاوہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون — ۸۵۲۶۱۱

ذیلی دفتر: ۱۱ داؤد منزل۔ نزد آرام باغ، کراچی ۱ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 4 | DECEMBER 1985 | No. 10

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن لاھور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ھے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ